Aanchal, Feburary, March, April 1999

اے تشنگیٔ دل بتا

اریشہ مغل

تجھ پہ برسی ہوں ہوا پیار کی برکھا بن کر
تو نے پلکوں میں مجھے رکھ لیا آنسو کی طرح
ٹوٹنے ہی کے لئے ہوتے ہیں سب خواب مگر
پھر بھی دھڑکن میں تجھے رکھ لیا سانسوں کی طرح

"سچ نانی ہم جلدی آجائیں گے صرف دس منٹ میں۔" شیبا نے مبالغہ آرائی سے کام لیا۔

"آئے تو کیا دکانوں کو چھونے جاؤ گی۔" انہوں نے عینک کو آنکھوں پر جماتے ہوئے تفتیشی لہجے میں پوچھا۔ تو صبا نے اسے بازو میں چٹکی بھر ڈالی۔

"اوئی آں۔۔۔" بے ساختہ اچھل پڑی۔

"کیا ہوا؟ کہیں سوئی پر تو نہیں بیٹھ گئیں تم؟" نانی نے تشویش سے اسے دیکھا اس نے کھا جانے والی نظروں سے صبا کو گھورتے ہوئے جوابا" کہا۔

"سوئی تخت پر نہیں کسی کے ہاتھ میں فٹ ہے نانی۔"

"کیا اول فول بکے جارہی ہے۔" انہوں نے ہاتھ نچا کر سبزی کا پیالہ اپنے نزدیک گھسیٹا۔

"اچھا آدھے گھنٹے سے پہلے' پہلے آجائیں گے اب تو جانے دیں۔" اس نے مسمسی صورت بناتے ہوئے خوشامدی انداز میں ان کا بازو دبایا۔

"چل پرے ہٹ کیا میرا بازو توڑے گی۔" انہوں نے جھڑکا۔

"پھر ہم جائیں آپ امی سے کہہ دیں گی ناں۔" وہ سرخوشی کے عالم میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے یوں اکیلے سیر سپاٹے کرنے کی۔ ان کے قطعی جواب پر صبا جو اس کی دیکھا دیکھی اٹھ رہی تھی مایوسانہ انداز میں دھم سے بیٹھ گئی اور شکایتی لہجے میں بولی۔

"کیا ہے یار یہ بھی کوئی زندگی ہے۔"

"شرمندگی ہی شرمندگی۔" شیبا نے لقمہ دیا۔

"تمہاری ہوگی شرمندگی میری زندگی اب اتنی بری بھی نہیں۔" صبا نے فورا" پینترا بدلا۔

"خیر مجھے اپنی زندگی پر واقعی شرمندگی ہے خوامخواہ پیدا ہوگئے بچپن میں ہی فوت ہو جاتے تو اماں ابا اور شائد نانی کی بھی جان چھوٹتی شیبا نے اپنے گھائل لہجے اور دردناک الفاظوں سے نانی کو تڑپانا چاہا۔

"آئے میری بچی یوں تو نہ کہو تو تو میرے چمن کی رونق ہے۔" انہوں نے اسے جھٹ اپنے قریب گھسیٹا۔

"اور اس رونق کو اب اجازت نہ دے کر کتنا بے رونق کر رہی ہیں۔ ان کی ہمدردی پاکر وہ ٹھنکی۔

"کیا کروں بچی آج کل کا ماحول اور پھر حالات ہمہ وقت دھڑکا سا لگا رہتا ہے نجانے کب کیا ہو جائے۔" وہ متفکر لہجے میں گویا ہوئیں۔

"جی ہاں سارے دہشت گرد ہماری ہی راہ میں تو نظریں بچھائے بیٹھے ہوں گے کب بی بی صبا اور شیبا شاپنگ کرنے نکلیں اور کب انہیں اچک لیا جائے۔" شیبا نے مارے بے بسی کے دانت پیستے ہوئے صبا کے کان میں سرگوشی کی اور ایک نظر نانی پر ڈالی جو سبزیوں میں گم ہو چکیں تھیں۔

"کیا مسئلہ ہے بھئی چمن سنسان کیوں پڑا ہے' بلبلیں چہک نہیں رہیں۔" افتین نے اندر آکر صوفے پر بیٹھتے ہوئے ان دونوں کے لٹکے چہرے دیکھے۔

"افتی تم نے کہا تھا ناں کہ تم ہمیں شاپنگ پر لے چلوگی۔" صبا کو بروقت بہانا سوجھا اسے معلوم تھا کہ امی ابو اس کو انکار نہیں کرسکتے تھے حتیٰ کہ تیز و طرار نانی کی بھی اس کے معاملے میں نہیں چلتی تھی۔

"میں نے؟ کب؟" اس نے کورٹ شوز اتار کر پیر سکیڑ کر اوپر اٹھتے ہوئے حیرانگی سے پوچھا۔

"وہ رات ہی تو بات ہوئی تھی۔" شیبا پھرتی سے اٹھ کر اس کے برابر جا گھسی پھر اس کی آنکھوں کے اشارے اور نانی کے بھاری بھرکم وجود کے پیچھے سے ہاتھ جوڑے التجا کرتی صبا کو دیکھ کر وہ ان کی تمام پلاننگ سمجھ گئی۔

"میں بہت تھک گئی ہوں۔" اس نے شیبا کی طرف دیکھ کر بے چارگی سے کہا۔

"پلیز افتی تم ہی واحد سہارا اور امید کی کرن ہو شیبا نے دبے دبے لہجے میں فریاد کی۔"

"اچھا پھر تیار ہو جاؤ اور اس سے پہلے مجھے ایک کپ چائے پلاؤ جاؤ پھر چلتے ہیں۔" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے لڑکی اپنے ساتھ انہیں

بھی نگر نگر پھرانے کی اور کہیں لے جانے کی۔ حسب توقع وہ اس کے الفاظ سنتے ہی بھڑک اٹھیں صبا اور شیبا جو کھلکھلاتی ہاتھ پر ہاتھ مارتی باہر بھاگنے کی تیاری کررہی تھیں رک کر نانی کے چہرے کو تکنے لگیں جوابا" افتی نے بے نیازی سے کہا۔

"ٹھیک ہے پھر انہیں آپ لے جائیں مگر مسئلہ ہے آپ کو تو گاڑی چلانی ہی نہیں آتی۔" اس کے جملوں پر وہ تڑپ اٹھیں۔

"مجھے نجم الحسن نہ سمجھو جو تیرے نخرے اٹھاتا ہے زبان دراز لڑکیاں مجھے اچھی نہیں لگتیں۔"

"وہ مبہم سا مسکراتے ہوئے بولی۔" ماموں خاصے ینگ اور اسمارٹ ہیں اور آپ۔۔۔ میں یہ حماقت کیونکر کرسکتی ہوں اس کے ساتھ ہی وہ تو اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی جب کہ صبا اور شیبا ہنستی اپنے کمروں کی جانب دوڑی تھیں اور قمر النساء بیگم بک جھک کر اپنا غصہ نکال رہی تھیں۔

"سن لے نزہت یہ جس عورت کی بیٹی ہے ایک دن ضرور تیری ناک کٹوائے گی اس کے تیور مجھے ابھی سے اچھے نظر نہیں آتے۔" وہ اپنی بیٹی کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

"اس طرح مت کہیں اماں افتی بھی ہماری بیٹیوں کی طرح ہے اور صبا' شیبا سے زیادہ ہمارا خیال رکھتی ہے نجم یہ سن لیں گے تو خاصے خفا ہوں گے' وہ اسے اپنی اولاد سے بڑھ کر پیار کرتے ہیں۔" نزہت بیگم نے انہیں سمجھانا چاہا۔

"دفع۔" انہوں نے ہاتھ نچا کر اپنی خفگی کا باقاعدہ اظہار کیا۔

"اب سنور بھی چکو ہم بازار جارہے ہیں کسی کا ولیمہ اٹینڈ کرنے نہیں۔" صبا نے انتہائی کوفت کے عالم میں ان کی تیاریوں پر جھلا کر تیسری بار ٹوکا تھا۔

"میں تو کہتی ہوں تم بھی ہلکا ہلکا میک اپ کرلو میری تو عادت ہو چکی ہے باہر کے لوگوں کے لیے تم یکسر اجنبی ہو بڑوں کا تو کوئی مسئلہ نہیں مگر بچے تمہیں دیکھ کر چیخیں مارنے لگیں تو بڑی گڑبڑ ہو جائے گی۔" شیبا نے اس کے سلونے روپ پر طنز کیا اور جوابا" وہ کشن اس کی جانب اچھال چکی تھی جسے ہنستے ہوئے اس نے مہارت سے کیچ کرلیا۔ تبھی ہارن کی آواز پر وہ دونوں چونکیں۔

"یہ افتی کی طرف سے اس بات کا اشارہ ہوا کرتا تھا کہ جسے آنا ہے آجائے ورنہ وہ چلی جائے گی خصوصا" تیسرے ہارن کے بعد وہ نہیں ٹھہرتی تھی۔ اس لیے صبا جو پہلے ہی تیار تھی مزید بحث کیے بغیر کمرے سے تیزی سے نکلی جب کہ شیبا جس نے سینڈل تک نہیں پہنے تھے پھر کلپ بالوں میں لگا کر سینڈل ریک سے اٹھائے اور پورچ کی طرف یونہی بھاگی تھی اور پھر اس کے بیٹھتے ہی افتی نے گاڑی آگے بڑھادی۔

"کمال کرتی ہو افتی چھری تلے تھوڑا دم ہی لے لیا کرو۔" شیبا نے جھک کر سینڈل کے اسٹریپ بند کرتے ہوئے نانی کا فقرہ دہرایا۔

"ذرا عقل سے سوچو چھری تلے کون احمق دم لے سکتا ہے۔" صبا نے اسے چھیڑا۔

"بھاڑ میں گئی چھری اور دم مجھے تو اس بات کا قلق ہو رہا ہے کہ آئی لائنر سے میں اپنی آنکھوں کو قاتل نہ بنا سکی۔" اس نے کف افسوس ملا اسے میک اپ کا کریز تھا اور جمع کرنے کا جنون۔

"مسکارا کافی نہیں ہے اور ساتھ ہی یہ دو من کا کاجل جو آنکھوں میں بکھیرا ہے یہ تمہیں چڑیل بنانے کے لیے پورا نہ تھا جو وہ بھی لگا رہی تھیں۔" صبا نے خونخوار نظروں سے اسے گھورا اس کی تیاریوں پر پہلے ہی اس کا سیروں خون جل چکا تھا۔

"مجھے کیا ضرورت ہے چڑیل بننے کی' تم ہمارے ساتھ جا تو رہی ہو۔" اس نے حیرت سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے جوابا" کہا۔ افتی اس کے جوابی حملے پر کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔

"بڑے افسوس کی بات ہے افتی تم اس مسخری کی بات پر ہنس رہی ہو۔"

"مسخری کسے کہا تم نے؟" شیبا نے دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن کا ناپ لیا۔

"یقینا" تمہارے علاوہ میرے برابر کوئی اور نہیں

بیٹھا' دوسرے جب تم اپنے اصل نام سے واقف ہو پھر مجھ سے تصدیق کیوں چاہ رہی ہو۔" صبا نے اسے پرے دھکیلتے ہوئے اپنے بال درست کیے۔

"ٹھیک ہے پھر تم بڑی مسخری ہوئیں آخر میری جڑواں بہن ہو۔" وہ شرارت سے مسکرائی اور یہ سچ بھی تھا وہ دونوں جڑواں تھیں اس لیے جتنی محبت تھی اتنی ہی کھٹ پٹ بھی چلتی تھی۔ جب کہ افشی جو یونیورسٹی سے حقیقتاً بے حد تھکی ہوئی آئی تھی اور آ کر صرف آرام کی طالب تھی ان کے ہمراہ آ تو گئی تھی مگر اس کا ذہن ابھی تک بوجھل ہو رہا تھا مگر وہ ان کی خواہش ٹال نہیں سکتی تھی کیونکہ ان لوگوں کی محبتوں' احسانوں کا بار ہی اتنا تھا کہ وہ انکا کسی بھی طرح قرض نہیں چکا سکتی تھی۔

"پانچ ہزار۔" صبا کی آنکھیں مارے تحیر کے پھیلیں۔

"جی ہاں محترمہ شائد یہاں آنے کا آپ کا پہلا اتفاق ہے۔ وہ استہزائیہ انداز میں مسکرائی۔

"کیا خوبی ہے اس میں؟" صبا اس لڑکی کی مسکراہٹ پر خاک ہوتے ہوئے بولی۔

"خوبی نہ ہوتی تو کیا آپ اس کا انتخاب کرتیں۔" اس کے جواب پر وہ لاجواب ہوتے ہوئے گویا ہوئی۔

"پھر بھی یہاں اس سوٹ کی بے حد پرائس ہیں ہماری طرف یہی سوٹ تین سے ڈھائی میں با آسانی مل جائے گا۔"

"علاقے کے حساب سے پرائس لگائی جاتی ہیں آپ اپنی طرف سے لے لیں کاؤنٹر پر کھڑی اس لڑکی نے بے نیازی سے وہ سوٹ کسٹمر لڑکی کے حوالے کیا جس پر صبا کی حسرت بھری نگاہیں ٹکی ہوئیں تھیں تیٹ کا وہ خوبصورت موتیوں کے کام سے آراستہ جارجٹ کا انتہائی حسین سوٹ تھا۔ وہ پژمردگی سے چلتی ہوئی دوسری طرف افشی اور شیبا کی طرف بڑھی تھی۔

"تم نے کوئی سوٹ پسند کیا؟" افشی اسے خالی ہاتھ دیکھ کر چونکی۔

"یہاں پرائس بہت زیادہ ہیں۔" اس نے منہ بنایا۔

"ڈونٹ وری میرے پاس رقم ہے تمہیں جو پسند ہے لے لو پے منٹ میں کر دوں گی۔" اس کے بے فکر انداز پر وہ خوشی سے کھلتے ہوئے بولی۔

"پھر دو لے لوں؟"

شیبا جو پیچھے ہی کھڑی تھی شریر لہجے میں گویا ہوئی۔

"دو کیوں سو لے لو۔" صبا نے مڑ کر اسے گھورا اور جیسے اسے اچانک ہی یاد آیا۔

"ارے ہاں افشی آج رات تمہیں جویریہ کی منگنی میں شرکت کرنی ہے اپنے لیے بھی کوئی سوٹ لے لو۔"

"افشی میں بھی چلوں تمہارے ساتھ۔" شیبا نے جھٹ اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

"بہت شوق ہے۔" افشی دھیرے سے مسکرائی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے جویریہ اس کی فرینڈ ہے یا تمہاری۔" صبا نے ہمیشہ کی طرح اختلاف رائے کا اظہار کیا۔

"جا میں رہی ہوں تم نہیں۔" وہ جلبلائی ان کو لاحاصل بحث میں الجھتے دیکھ کر افشی نے ٹوکا۔

"پہلے سوٹ پسند کر لو پھر گھر جا کر بحث کر لینا۔" اس کے یاد دلانے پر وہ دونوں اصل معاملے کی طرف متوجہ ہوئیں پھر واپسی میں شیبا کے اصرار پر آئس کریم لیتے وہ گھر لوٹیں تو خاصی دیر ہو چکی تھی آٹھ بجے اٹھانے کا کہہ کر افشی بستر پر گر کر غائب ہو گئی جویریہ کی کال آنے پر صبا نے اسے جھنجوڑ کر اٹھایا۔

"ابھی تو ساڑھے نو ہی بجے ہیں۔" اس نے بوجھل ذہن اور خمار آلود نظروں سے واچ کو چیک کرتے ہوئے کہا۔

"خاصی دیر ہو چکی ہے تم کب تیار ہو گی اور کب وہاں جاؤ گی دس بجے منگنی کی رسم ادا ہونی ہے جویریہ تمہیں کچا چبا جائے گی۔" صبا نے ایک بار پھر اسے بستر پر لیٹے دیکھ کر بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔

"کیا ہے یار یہ جویریہ کے گھر ہر وقت پارٹیاں کیوں ہوتی رہتی ہیں۔" اس نے بے زاری سے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ڈریس تیار ہے ملکہ عالیہ۔" شیبا نے سوٹ اس کی نظروں کے سامنے لہرایا وہ پریس کر کے لے آئی تھی۔

"کیا ہوا جانا نہیں؟ اسے ہنوز یونہی بیٹھتے دیکھ کر وہ قریب آئی۔

"ہاں جانا تو ہے۔" اس نے جیسے بے حد مجبوری کے عالم میں آتی جمائی کو روک کر واش روم کا رخ کیا تھا۔

"اچھا لگ رہا ہے ناں۔" شیبا نے افشی کا سوٹ اپنے سے لگاتے ہوئے اشتیاق سے پوچھا تھا۔ صبا نے تنقیدی نظروں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"افشی پر زیادہ اچھا لگے گا۔" اس کی آنکھوں میں شرارت چمکتی دیکھ کر وہ بھنا کر رہ گئی۔

"معلوم ہے مجھے۔" وہ اس کو گھورتی باہر کی طرف بڑھی تھی۔

* * *

"کیسی ہیں آپ؟" خوبصورت گمبھیر مردانہ آواز پر اس نے گلاس پر جمی نظریں اٹھا کر نو وارد کو دیکھا بلیک ڈنر سوٹ میں وجیہہ چہرے پر نرم دوستانہ مسکراہٹ سجائے شناسا نظروں سے اسے دیکھتا وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔

"جی سوری میں آپ کو پہچانا نہیں۔" اس نے استفہامیہ نظروں سے قدرے اجنبیت و بے رخی سے جواباً کہا تھا۔

"لوگ حکم یار خان کہتے ہیں آپ حکم کہہ سکتی ہیں۔" وہ دھیرے سے مسکرایا تھا اس کے چہرے کو روشن کرتی مسکراہٹ اسے تلملاہٹ میں مبتلا کر گئی۔

"اجنبی لوگوں کو بے تکلفی سے پکارنے یا ان کا نام لینے کی عادت نہیں مجھے۔" وہ روکھے لہجے میں کہتی چیئر پرے کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ کی یادداشت خاصی کمزور ہے وگرنہ میں آپ کے لیے قطعی اجنبی نہیں۔" وہ اس کے جواب پر ماتھے پر شکنیں ڈالے بغیر کہہ رہا تھا۔

"میں فضول باتیں اور عام چہرے یاد نہیں رکھتی' امید ہے آپ کی تسلی ہو گئی ہو گی اس کے تیکھے جواب پر ایک لمحے کو وہ خاموش کھڑا رہ گیا اور وہ بڑھ کر لوگوں کے ہجوم میں غائب ہو گئی۔

"ابھی تو میوزیکل پروگرام بھی شروع ہونا ہے صرف بارہ ہی بجے ہیں پلیز افشی۔" سجی سنوری جویریہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر التجا کی۔

"وہاں گھر میں سب پریشان ہو رہے ہوں گے دوسرے میوزیکل پروگرام تو مزید ایک گھنٹے بعد شروع ہو گا جب تیمور کے گھر والے جا چکے ہوں گے۔" افشی نے اس کی ضد پر پریشانی کا اظہار کیا۔

"منگنی روز روز تو نہیں ہوتی۔" اس نے منہ بنایا اس کے قطعی جواب پر لاحول ولا کیا فضول بات کرتی ہو ابھی تیمور تمہاری گوہر افشانی سن لے تو مارے صدمے کے وہیں بے ہوش ہو جائے۔" نے اس کا ذہن بٹایا تو بے اختیار جویریہ مسکرانے لگی اور ڈائمنڈ رنگ کو گھمانے لگی جو کچھ دیر پیشتر ہی تیمور نے اس کے ہاتھ میں پہنا کر اپنے نام کی مہر لگا دی تھی۔ اس نے نظریں اٹھا کر تیمور کو ڈھونڈا جو اپنے دوستوں میں کھڑا تھا۔ جویریہ کی مسکراتی نظروں پر افشی نے بھی اس طرف دیکھا اور پھر تیمور پر سے پھسلتی اس کی نظر حکم یار پر ٹھہر گئی جس کی پر تپش نظروں کا اس وقت وہی محور تھی۔

"یہ شخص کون تھا اور اس سے کیسے اور کب سے واقف تھا جب کہ وہ ہنوز اس کو پہچان نہیں پا رہی تھی البتہ اس کا چہرہ ضرور پہچان کی سند پا رہا تھا جیسے اس سے پہلے بھی کہیں دیکھا ہو مگر کہاں؟ اس نے سر جھکا کر اضطراب کی کیفیت میں سوچا پھر الجھی نظروں سے ایک بار پھر اس کی طرف دیکھا اور اسے زیر لب مسکراتے دیکھ کر بڑی ناگواری سے رخ پھیرا تھا۔

"میں ابھی آتی ہوں جونہی اس نے جھک کر جویریہ سے کہا اور پھر ڈائس سے اتر کر مسز ہمدانی (جویریہ کی ممی) کو ڈھونڈنے لگی وہ جویریہ کو قائل نہیں کر سکی تھی مگر مسز ہمدانی سے کہہ کر گھر جانا چاہتی تھی اس کا اب یہاں ٹھہرنے کا قطعی ارادہ نہیں تھا۔

"کسے تلاش کررہی ہیں آپ؟" وہ ایک بار پھر اس کے سامنے حاضر تھا۔ اس کا صبر و ضبط آزمانے کے لیے۔

"آپ کو ہرگز نہیں۔ اس نے غصے سے کہتے ہوئے قدم بڑھائے۔

"مجھے حیرت ہے کہ آپ ایک سال کے عرصے میں قطعی نہیں بدلیں وہی بے نیاز انداز ہے اور لہجے میں وہی کڑواہٹ۔" اس کے برابر چلتے ہوئے وہ ریمارکس پاس کررہا تھا۔ افشی نے ٹھہر کر بڑی کاٹ دار نظروں سے اس کو گھورا تھا۔

"آپ کی آنکھیں بے حد حسین ہیں اگر یہ پیار سے دیکھیں تو۔" وہ شرارت سے بولا۔

"شٹ اپ۔" وہ دانت پیس کر بولی تھی اور اس کے ساتھ ہی مڑ کر تیز قدموں سے آگے کی طرف غائب ہوگئی۔

"سویٹ گرل اگر تم اپنی دوست کی منگنی میں نہیں رکو گی تو پھر یہ موقع کب آئے گا۔" وہ خفگی سے گویا ہوئیں۔

"وہ ٹھیک ہے آنٹی پر میں انکل سے اجازت لے کر نہیں آئی ویسے بھی وہ اسے مناسب خیال نہیں کریں گے۔" اس نے سہولت سے انہیں سمجھایا۔

"اوکے ڈیئر ایز یو وش۔" وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر مسکرائیں تو وہ ان کا ہاتھ تھام کر مسکرادی۔

"پلیز آنٹی آپ جویریہ کو سمجھا دیجیے گا۔" اس نے جانے سے پہلے کہا۔

"ڈونٹ وری۔" ان کے الفاظ پر اس نے باہر پارکنگ کی سمت قدم بڑھا دیے وہ بندہ ہنوز اسے کھٹک رہا تھا وہ نہ تو شوخ مزاج چنچل تھی اور نہ ہی فوراً بے تکلف ہو جانے والوں میں سے اسکول سے کالج اور کالج سے یونیورسٹی تک کے سفر میں صرف جویریہ کی مستقل مزاجی اور محبت بھرے دوستانہ مزاج نے اسے اس کا اسیر کیے رکھا تھا وہی اس کی واحد دوست تھی جو اس سے کچھ قریب تھی ورنہ وہ اپنے دکھ و تکلیف غم سب دل تک محدود رکھنے والی لڑکی تھی۔ جس قسم کا اس کا مزاج تھا اس کے لحاظ سے اس کی فرینڈز کی تعداد بھی زیادہ نہ تھی اس نے جویریہ کے علاوہ ہر بڑھے ہاتھ کو جھٹکا تھا وہ دوستی اور اس قسم کے تعلقات کی سرے سے قائل ہی نہ تھی لیکن اس بندے کا بے تکلف اور شناسا انداز گفتگو بتا رہا تھا کہ وہ اس سے واقف تھا اس نے نچلے لب کا کونا دبا کر گاڑی اسٹارٹ کی پھر سر جھٹکتے ہوئے اس نے گاڑی تیزی سے آگے بڑھا ڈالی تمام رستے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسی کے متعلق سوچتی آئی تھی اور پھر جب ڈریس چینج کرکے وہ بیڈ پر آکر لیٹی تو الجھ کر اپنے آپ سے گویا ہوئی۔ "افشی نواز وہ کون ہے جو تم سے واقف ہے اور تم اس کے وجود سے لاعلم۔" اس نے تکیے پر سر ٹکتے ہوئے سوچا۔

"کس کے متعلق فرمایا جارہا ہے کہ وہ آپ کو جانتا ہے اور آپ لاعلم ہیں؟" صبا کی آمد پر وہ چونکی۔

"تم ابھی تک جاگ رہی ہو۔" اس نے ایک بجاتی گھڑی کو دیکھ کر متحیر لہجے میں کہا۔

"تم آئی نہیں تھیں ابو فکرمند تھے جب کہ تائی لیکچر جھاڑ رہی تھیں ایسے میں کہاں نیند آسکتی ہے۔"

"سوری یار، وہاں دیر ہوگئی دوسرے جویریہ روک بھی رہی تھی ابھی تو کل اس کا لیکچر سنتا اور ناراضگی سہنی ہے۔" افشی نے شرمندہ لہجے میں تشویش سے کہا۔

"اصل بات بتاؤ وہ کون ہے جس نے تمہیں الجھا دیا ہے؟" صبا شرارت سے بولی۔

"وہ۔" اس نے سوچ کے گھوڑے دوڑائے اور تھک کر گویا ہوئی۔ "آئی ڈونٹ نو۔" اس کے ساتھ ہی اس نے سائیڈ میز کا لیمپ آف کرتے ہوئے صبا سے کہا۔ "جاتے وقت لائٹ آف کرجانا۔" اس کے اکتائے لہجے اور آنکھوں میں بھری نیند کو دیکھ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی لائٹ آف کرکے وہ برابر میں اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

* —— * —— *

"آپ کا نام؟"

"افشی نواز خان۔"

"آپ کی کوالیفکیشن؟" فوراً ہی دوسرا سوال آیا تھا۔

"فائل میں درج ہیں جو اس وقت آپ کے سامنے رکھی ہے۔" ہنوز لاپرواہی و بے نیازی کا مظاہر کیا گیا۔

"آپ کا ایکسپیرینس؟" تیسرا سوال داغا گیا۔

"یقیناً" یہ شرط اشتہار میں درج نہ تھی۔" اس کے لفظوں پر آفس کے دوسرے کونے میں بظاہر اخبار میں الجھا حکم چونک اٹھا اس نے اخبار طے کرکے سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور مٹھی ہونٹوں پر جما کر دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا جو پُراعتماد انداز میں اس طرح جواب دے رہی تھی جیسے تمام دنیا فتح کرکے آئی ہو یا پھر اس نے یہاں آکر احسان عظیم فرمایا ہو۔

"بے شک لیکن ہمیں تو ایسے ہی بندے کی ضرورت ہے جو تجربہ رکھتا ہو۔" محمود گردیزی کاروباری مسکراہٹ لبوں پر جمائے بولا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ انہوں نے پہلے ہی بندہ سلیکٹ کرلیا تھا یہ تو بزنس کا ایک حصہ تھا کہ اشتہار شائع کیا جاتا۔

"اور اگر میں کہوں کہ مجھے اکاؤنٹینٹ کا بھی تجربہ ہے پھر؟" افشی نے اس شخص کے بدلتے رنگ دیکھے۔

"تو ہم عارضی طور پر آپ کو رکھ کر دیکھیں گے اگر آپ ہماری شرائط پر پورا اتریں تو ہم آپ کی جاب مستقل کردیں گے۔ ویسے یہ جاب آپ کو سوٹ نہیں کرتی اگر آپ راضی ہوں تو میں آپ کو بطور سیکریٹری اپائنٹ کرسکتا ہوں اس کے چہرے پر پھیلی خباثت بھری مسکراہٹ نے اس کا جی جلا کر خاک کر ڈالا وہ اٹھتے ہوئے استہزائیہ انداز میں بولی۔

"پہلی بات تو یہ کہ اگر آپ نے اپنا من پسند بندہ سلیکٹ کرہی لیا ہے تو اس ڈرامے کی مزید کیا ضرورت ہے دوسرے جس شخص کو از خود تربیت، تمیز اور مہذب ہونے کی ضرورت ہو وہ اپنے ورکرز کو کس طرح ڈیل کرسکتا ہے۔" اس کے طنز میں بھرے تیر جیسے ایک ایک کرکے اس کے دل میں پیوست ہوئے تھے۔

"جسٹ شٹ اپ۔" اس کا رنگ سرخ ہو رہا تھا اور خونخوار نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں وہ دھیرے سے مسکراتے ہوئے بولی۔

"اور آخری بات اس دو کوڑی کی جاب کو میں از خود ٹھکراتی ہوں آپ جیسے غیر مہذب شخص کے ساتھ میں از خود کام کرنا پسند نہیں کروں گی۔" وہ بڑی سلگتی نظر ڈال کر باہر آئی تھی۔

"کیا ہوا کیا آپ کو جاب مل گئی؟" اس کے باہر آتے ہی وہاں بیٹھے باقی ماندہ لڑکے اور لڑکیوں نے اسے گھیر لیا۔

"انہوں نے پہلے ہی بندہ سلیکٹ کر رکھا ہے آپ لوگ اپنا ٹائم ضائع کررہے ہیں۔" افشی نے ان کے بجھے چہروں پر نظر ڈالتے ہوئے حقیقت بتائی۔

"کمال ہے یہ کون سا طریقہ ہے؟" ایک گرم مزاج جوان بڑبڑایا۔

"آج کل یہی ہورہا ہے بھائی پہلے ہی سفارشیں پہنچ جاتی ہیں ہم جیسے غریبوں کو کون پوچھتا ہے۔" دوسرا شخص بے حد مایوسی سے گویا ہوا۔ وہ تھکے تھکے قدموں سے سیڑھیوں کی جانب بڑھی کیونکہ لفٹ کھڑی تھی اسے چار منزلہ سیڑھیاں طے کرکے نیچے جانے کا تصور ہولا رہا تھا وہ سستی سے قدم اٹھاتے تھکی نجانے کتنا فاصلہ طے ہوا تھا تب اپنے پیچھے سے آتی آواز پر کھٹکی۔

"سنیں مس وہ چونک کر پلٹی یہ وہی شخص تھا جو انٹرویو کے دوران خاموشی سے بیٹھا اسے مسلسل تکتا رہا تھا افشی نے اس کی گرم نگاہوں کو محسوس کرلینے کے باوجود رخ موڑ کر اس کی طرف ایک نظر نہیں ڈالی تھی اسے اس قسم کے لوگ سخت زہر لگتے تھے۔

"میرا نام حکم یار خان ہے اور ملک سنز کے مالک میرے والد ہیں اگر آپ راضی ہوں تو میرے آفس میں آپ کو باآسانی جاب مل سکتی ہے۔" اس کے چہرے پر بکھری دوستانہ مسکراہٹ سے قطع نظر وہ تیکھے لہجے میں بولی۔

"میرے علاوہ بھی اوپر کئی اور لوگ بے روزگار موجود تھے۔ آپ صرف میری ہی مدد کیوں کرنا چاہتے

ہیں؟"

"وہ آپ مجھے زیادہ ضرورت مند لگتی ہیں' دوسرے خواتین کا پہلا حق ہوتا ہے۔" وہ اس کے اچانک حملے پر گڑبڑا گیا تھا۔

"اپنی آنکھوں کا علاج کروایئے میں قطعی ضرورت مند نہیں بلکہ شوقیہ جاب کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے اس کے لیے میرا آفس زیادہ موزوں ہے۔" وہ اس کے نرم لہجے میں شیر ہوا۔

"تھینکس مسٹر میرا اب ارادہ چینج ہوچکا ہے۔" وہ بے رخی سے کہہ کر تیزی سے سیڑھیاں طے کرنے لگی جب کہ عامر آفریدی کی آمد نے اس کے پیچھے بھٹکنے اور خوار ہونے سے بچالیا تھا اور پھر وہ سمجھتا رہا کہ وقتی طور پر وہ اس سرمئی آنکھوں والی لڑکی سے متاثر ہوگیا ہے گزرتے وقت کے ساتھ اسے بھول جائے گا مگر ایسا نہ ہوسکا گزرتے وقت کے ساتھ وہ اسے ڈھونڈنے ایک ایک چہرے اور شاہراہ پر لوگوں کے ہجوم میں تلاش کرنے لگا۔" درد بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔" اپنے طور پر اس نے افشی کو بے حد ڈھونڈا تھا مگر اسے ایک سال بعد بالآخر تیمور یزدانی کی منگنی میں اسی طرح اچانک ہی ملنا تھا۔ تب اس کی نظر اس پر پڑی تھی سیاہ تراشیدہ شانوں پر بکھری ریشمی زلفیں اور میک اپ سے سنورے تیکھے دلکش نقوش جو اس وقت قابل نظر آرہے تھے ہونٹوں کا تراشیدہ خوبصورت خم وہ گلاس کو تکتی کسی گہری سوچ میں گم تھی اطراف سے بے نیاز و غفلت جیسے اپنے وجود کے آگے کسی دوسری شے کی اہمیت ہی نہ ہو اور شائد اس کی اسی خوبی نے پہلے بھی اسے متاثر کیا تھا ورنہ حسین و خوبصورت چہروں کی فیملی کے اندر اور فیملی کے باہر اسے کمی ہرگز نہ تھی۔ تیمور نے اس کا کتنا کڑا مسئلہ حل کرایا تھا یہ کہہ کر کہ یہ تو افشی ہے جویریہ کی بیسٹ فرینڈ اس کے متعلق سوچنا بھی مت کافی اکھڑ مزاج اور غصیلی ہے اس قسم کی پیار و محبت کی باتوں کو قطعی پسند نہیں کرتی اور نہ ہی مجنوں قسم کے لوگ اسے بھاتے ہیں۔" اس بات پر وہ کتنی دیر تک ہنستا رہا تھا کہ اس کے مل جانے کی خوشی نے اس کے وجود کی ایک سالہ تھکن و کوفت کو پل بھر میں مٹا ڈالا تھا۔

"افشی۔" اس نے زیر لب اس کا نام لیا۔ اسے یوں لگا جیسے منہ میں شہد گھل گیا ہو یہ فطری بات ہے جس سے انسان کے دل کے تار بندھے ہوں اور جس کے لیے وہ دلی جذبات و احساسات سے سوچتا ہو اس کو یاد کرنے یا اس کا نام لینے سے بھی اتنی ہی خوشی ہوتی ہے جتنی کہ اس سے مل کر ہوسکتی ہے۔

* ------ * ------ *

"سنا ہے افراز کی پوسٹنگ ہونے والی ہے۔" شیبا نے کام میں مصروف صبا کو چھیڑا۔

"تمہیں کس نے بتایا؟" خلاف توقع وہ کام چھوڑ کر اس کی جانب متوجہ ہوچکی تھی۔

"بوجھو تو جانیں۔" اس نے شرارت سے آنکھیں گھمائیں۔

"پہیلیوں مت سیدھی طرح بتاؤ مونا (افراز کی بہن) نے مجھے تو کچھ نہیں بتایا اگر فون آیا ہوتا تو وہ ضرور ذکر کرتی اور خط آیا ہوتا تو۔ اس نے شیبا کا مسکراتا چہرہ دیکھا۔

"کہاں ہے خط جلدی دو؟" اس نے شیبا کے پیچھے بندھے ہاتھوں کو ٹٹولا پھر خط دریافت کرکے وہیں کھڑے کھڑے اس نے بے تابی سے پڑھنا شروع کردیا۔

"مجھے بھی دکھاؤ کیا لکھا ہے؟" شیبا نے چونکہ خط کھول کر پڑھا نہیں تھا اس لیے صبا کے ساتھ چپکتے ہوئے خط پڑھنا چاہا۔

"تمہارے متعلق کچھ نہیں لکھا پرے ہٹو۔" صبا نے اسے پرے دھکیلتے ہوئے ٹوکا پھر اس کی نظریں بے چینی سے سطروں پر آنے لگیں۔

ڈیئر صبا آداب۔

عنقریب گلگت پوسٹنگ کے آرڈرز ملنے والے ہیں اتنی حسین وادی میں تمہیں سب کے ساتھ سخت مس کروں گا شیطان کی نانی (شیبا) اور سنجیدہ بیگم

(افشی) کیسی ہیں رات کا ایک بج رہا ہے اور سخت نیند آرہی ہے سردی اپنے عروج پر ہے اس وقت بھی کمبل میں گھسا تمہیں مجبوراً" خط لکھ کر اطلاع دے رہا ہوں اس لیے مختصر خط پر غصہ نہ ہونا کیونکہ غصے میں تم بالکل بل بتوڑی لگتی ہو اور تمہیں پتا ہے ناں بل بتوڑی مجھے بالکل بھی پسند نہیں مسکراؤ ذرا۔ ہاں ایسے شاباش گھر میں سب کو سلام اور تمہیں پیار

فقط تمہارا کیپٹن افراز حسن

"بے ہودہ۔" اس کے لبوں پر شرمگیں مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ خط تہہ کرکے کچن سے نکل آئی اس کا رخ اپنے بیڈ روم کی جانب تھا کیونکہ ابھی مونا کو بھی اطلاع دینی تھی جو کل سے آئی ہوئی تھی۔

"مونا۔ او مونی جلدی اٹھ دیکھ ذرا افراز کا خط آیا ہے۔" اس نے کمرے میں آکر مونا کا کمبل کھینچا۔

"ہائے۔ اوئی اللہ اتنی ٹھنڈ لگ رہی ہے پلیز یہ کمبل دو۔" اس نے لپک کر کمبل چھین کر اپنے گرد لپٹتے ہوئے کمبل سے سر نکال کر پوچھا۔

ہاں اب بتاؤ کیا لکھا ہے بھائی نے۔" رات میں بارش ہوئی تھی جس میں وہ شیبا کے ساتھ انجوائے کے طور پر نہائی بھی تھی اور چونکہ موسم سرما کی پہلی بارش تھی اس لیے صبح سے اسے فلو ہوگیا تھا اور وہ بستر پر پڑی ہوئی تھی۔ اس نے سوں' سوں کرتے ہوئے ٹشوز سے ناک کو رگڑا۔

"اپنی سوں' سوں تو بند کرو' سچ اس وقت تم بالکل مسز کی ماؤس لگ رہی ہو۔" صبا نے مونا کو کمبل سے سر نکالے دیکھ کر چھیڑا۔

"تو ہیں وہ بھی میں' میں۔" چھینک آنے کی بناء پر وہ اپنا جملہ پورا نہ کرسکی۔

"بالکل وہ یہی ہیں میں' میں یعنی کہ بکرے۔" وہ شرارت سے ہنسی۔

"آئے بچی مجھے پڑھ کر سنا کیا لکھا ہے میرے بچے نے۔" نانی ڈولتی ہوئی وہیں چلی آئیں ان کے پیچھے شیبا کو مسکراتے دیکھ کر صبا دانت پیس کر رہ گئی۔

"وہ نانی۔ بس وہی عام سی باتیں لکھی ہیں جو ہمیشہ ہی لکھی جاتی ہیں۔" صبا نے ان کی نظر بچا کر شیبا کو مکا دکھایا جواب اس کی بے بسی پر دانت کھول رہی تھی۔

"نہیں نانو' بہت کچھ لکھا ہے صبا بتا نہیں رہی ہے۔" اس نے تجسس پھیلاتے ہوئے پر اسرار لہجے میں ان کے آتش شوق کو ہوا دی۔

"لا خط دے مجھے میں شیبا سے پڑھواؤں۔" وہ اس کی جز بز پر ناراضگی سے گویا ہوئیں تو اس نے بے چارگی سے مونا کی سمت دیکھا جو شانے اچکا کر رہ گئی کیونکہ ان کے آگے کسی کی نہیں چلتی تھی۔ مگر صبا بھی اپنے نام کی ایک تھی اس نے فراز کا خط نکالا اور اس طرح شروع ہوئی کہ انہیں قطعی گمان نہ ہوسکا کہ وہ خط کے الفاظوں کے بجائے اپنی طرف سے سنا رہی ہے۔

"ارے صبا وہ بھی تو بتاؤ مس والی بات۔" شیبا چونکہ شروع کی لائنیں پڑھ چکی تھی اس لیے شرارت سے بولی۔

"لو' تو کیا وہاں مس بھی لگوا لی اس نے۔" نانی خاصے مشکوک انداز میں بولیں تھیں مونا جو پانی پی رہی تھی اسے پیتے پیتے اچھو لگ گیا۔

"نانی! یہ شیبا سراسر فضول بکواس کررہی ہے میں نے آپ کو مفصل خط سنایا ہے وہ بھی جو اس میں نہیں لکھا تھا۔" اس نے روہانسے لہجے میں کہا۔

"تو سب کچھ تم نے اپنی طرف سے سنایا ہے مجھے۔" وہ اس کی مدہم سرگوشی نما بڑبڑاہٹ پر جھٹ بولیں۔

"نانی! آپ کا آلہ سماعت اس عمر میں بھی ماشاء اللہ سبحان اللہ۔" مونا نے ان کا دھیان ہٹانے کے لیے خوشامد شروع کردی جب کہ صبا تنتاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تھی وہ خود بھی اصل بات بھلا کر مونا کو دیسی نسخے اور ان کی افادیت گنوا رہی تھیں تاکہ وہ بھی فیضیاب ہوتیں۔

"معلوم ہے افراز کا خط آیا ہے اس نے تمہیں سلام کہا ہے اور خیریت دریافت کی ہے اور ہاں اس کی پوسٹنگ گلگت ہونے والی ہے۔" افشی کو دیکھ کر وہ

چہکتے ہوئے بتا رہی تھی اس کے چہرے پر اترے الوہی رنگ اسے اور حسین بنا رہے تھے چہرے سے خوشی ہویدا تھی۔

"کھانا یہیں لے آؤں۔" اسے جلد ہی اس کی بھوک کا احساس ہوا۔ ہاں اس نے اثبات میں سر ہلایا اور فریج سے بوتل نکال کر وہ پانی پی ہی رہی تھی تب فون کی مسلسل بیل پر گلاس ٹیبل پر رکھ کر لاؤنج کی طرف بڑھی۔

"ہیلو۔" اس نے ریسیور اٹھاتے ہی کہا اور پھر خاموشی پر ٹھہر کر ہیلو کہا تو جویریہ روٹھے پن سے بولی۔

"میں تم سے سخت ناراض ہوں۔" اس کے روٹھے انداز پر وہ بے اختیار مسکرا اٹھی۔

"کیوں بھئی وجہ ناراضگی؟" وہ سمجھتے ہوئے بھی انجان بنی۔

"جیسے کچھ جانتے نہیں۔" وہ بھنائی تھی اس کے معصوم بننے پر۔

"کل کچھ یاد تو آ رہا ہے شاید پرسوں تمہاری منگنی کی تقریب تھی۔" اس کے پر سوچ انداز میں کہنے پر وہ خاک ہوتے ہوتے جواباً بولی۔

"جی اور آپ کی صدر مملکت سے ضروری میٹنگ تھی جسے اٹینڈ کرنا آپ کے لیے ازحد ضروری تھا۔"

"اپنے ایسے نصیب کہاں؟ وہ کہہ کر ہنسی تھی۔

"ہنس لو شرم تم کو مگر نہیں آتی۔" وہ چڑی تھی۔

"یہاں شرم کا کیا عمل دخل تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ میرا رکنے کا کوئی پروگرام نہ تھا پھر تم نے اصرار کیوں کیا؟" اس نے الٹا اسے گھرکا۔

"کبھی کسی کا دل بھی رکھ لیا کرتے ہیں۔" اس نے ناراضگی سے کہا۔

"چلو تمہاری شادی میں رک جاؤں گی اگر ہوگی تو ایک ہفتے پہلے سے ڈیرا جمالوں گی۔" اس نے یالا آخر اسے منایا۔

"صرف اور صرف باتیں۔" وہ جلی بیٹھی تھی۔

"تم نے آج شکوے کرنے کے لیے فون کیا ہے۔" اس نے صبا کو اشارہ کر کے اپنے مصروف رہنے کا بتایا۔

"جی نہیں بلکہ ایک اہم نیوز بتانے کے لیے۔" اس نے پراسرار لہجے میں کہا۔

"بھلا کیا؟" اس نے صوفے پر دراز ہوتے ہوئے شانوں پر آئیں زلفیں پرے کیں۔

"تمہارے لیے ایک شاندار پرپوزل ہے۔" وہ ہنسی۔

اچھا بھلا کون احمق ہے وہ؟" اس نے بے زارگی سے کہا۔

"اس طرح مت کہو افشی وہ واقعی تمہارے سلسلے میں سیریس ہے۔" جویریہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"واہ کیا مذاق ہے پہلی ہی ملاقات میں سیریس بھی ہو گئے۔" اس نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں وہ آج سے نہیں بلکہ پچھلے سال جب تم اس سے احمد انٹر پرائزز کے دفتر میں ملی تھیں تب سے اپنے دل میں تمہارے لیے جگہ رکھتا ہے اور اگر تم یقین کرو تو یہ بھی حقیقت ہے کہ اس ایک سال میں اس نے تمہیں بہت ڈھونڈا اور تلاش کیا ہے تب اپنے سچے جذبوں کی بناء پر تمہیں پایا ہے۔"

"تم یقیناً "حکم یار خان کی بات کر رہی ہو۔" اس کے ماتھے پر ناگواری کی شکنیں پڑ گئی اور لہجہ روکھا ہو گیا۔

"شکر تمہیں اس کا نام تو یاد ہے' یہ تیمور کے بہت کلوز فرینڈ ہیں اس کے علاوہ جاگیردار فیملی سے تعلق رکھتے ہیں خاصا اونچا اسٹیٹس ہے۔ عیش کرو گی ان کے وائٹ محل میں۔" جویریہ کا لہجہ جذباتی ہو چلا تھا۔

"بکواس نہیں کرو اور تیمور سے کہنا کہ اپنے دوست کو سمجھا دے پرپوزل ٹائپ کی کوئی فضول حرکت نہ کرے۔" اس نے تختی سے کہا۔

"کیوں' کیوں؟" وہ پریشان ہوئی۔

"اس لیے کہ میں تمہیں کہہ رہی ہوں انڈر اسٹینڈ۔" اس نے غصے سے کہتے ہوئے ریسیور پٹخا تھا

لیکن اس سے پہلے کہ وہ کمرے سے نکلتی بیل ایک بار پھر بجنے لگی اس کو پلٹنا پڑا۔

"السلام علیکم کیسی ہیں آپ؟" دوسری طرف سے فرمایا گیا۔

"وعلیکم السلام سوری میں آپ کو پہچانی نہیں۔" اس نے الجھتے ہوئے کہا۔

"اپنے' اپنے احساس کی بات ہوتی ہے میں آپ کی آواز سنتے ہی پہچان گیا تھا اور آپ۔ ویسے بندے کو حکم یار کہتے ہیں۔" اس کے لہجے میں چھپے ہوئے طنز کو وہ بخوبی محسوس کر گئی تھی۔

"کون حکم یار؟" اس نے اجنبیت کی ردا اوڑھی حالانکہ ابھی وہ اسی کے سلسلے میں جویریہ کو انکار کر چکی تھی۔

"مجھے آپ سے یہی امید تھی کہ اگر میں اس بار آپ سے ملا تو شائد آپ کو تیمور کی منگنی کا حوالہ دے کر یاد کرانا پڑے گا کہ وہاں ہماری ملاقات ہوئی تھی۔" وہ کہہ کر ہولے سے ہنسا افشی نچلا لب دانتوں تلے بھینچتے متذبذب کھڑی تھی۔

"افشی آپ سن رہی ہیں نا؟" بڑا پیارا انداز تھا پکارنے کا وہ چاہتے ہوئے بھی رد نہ کر سکی۔

"میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں وہ سب بتانا چاہتا ہوں جو اس ایک سال کے عرصے میں آپ کو ڈھونڈتے' تلاش کرتے ہوئے میں نے پل پل سوچا اور دل پر گزرتے محسوس کیا تھا۔

"سوری اجنبیوں سے ملنے اور ان سے بات کرنے کی عادت نہیں ہے مجھے آئندہ یہ سوچ کر کال کیجیے گا۔" وہ جلد ہی اس کی گھمبیر آواز کے جال سے باہر نکل آئی۔

صبا نے ڈائننگ ٹیبل پر کھانا چن دیا تھا۔

"مامی کہاں ہیں شیبا اور مونا دکھائی نہیں دے رہیں اور نانی کیا واپس لاہور سدھار گئیں؟" اس نے گھر میں بولتے سناٹے کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"امی تو مسز گیلانی کے گھر گئی ہیں شیبا اور مونا اوپر کے پورشن میں نانی کے ساتھ مغز کھپا رہی ہیں۔" وہ سلاد کی پلیٹ ٹیبل پر رکھ کر خود بھی چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

افشی یونیورسٹی سے کبھی دو یا تین بجے تک لوٹتی تھی اس لیے اکیلے کھانا کھانے کے بجائے کبھی کبھی وہ یونہی گزارہ کر لیا کرتی تھی اس لیے صبا اس کے آنے تک انتظار کیا کرتی تھی اور پھر وہ ساتھ ہی کھانا کھاتی تھیں۔

فون کی مسلسل بجتی بیل پر صبا اٹھنے لگی تبھی افشی نے سرسری لہجے میں کہا۔

"رانگ نمبر ہے اس سے پہلے میں نے چیک کیا تھا۔" اس کے لفظوں پر وہ اٹھتے ہوئے واپس بیٹھ گئی جب کہ افشی کی آنکھوں میں ناگواری و تشویش کے ساتھ آہستہ' آہستہ اتر رہے تھے۔

"میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔" اس کی سماعت میں اس کے الفاظ گونجے۔

"ہنہ۔" اس نے ناگواری و تلخی سے سر جھٹکا تھا۔

"کیا کھانا ٹھیک نہیں پکا اتنی محنت سے میں نے کوفتے پکائے تھے معلوم ہے کتنی محنت ہوتی ہے اس ڈش میں۔" صبا نے پریشانی سے کہا اس کے بگڑے تیور دیکھ کر وہ یہی سمجھی تھی۔

"ابھی تمہیں بہت محنت کرنی ہے وگرنہ افراز یہ ڈش روزانہ تمہارے اوپر الٹا کرے گا۔" افشی نے شوخی سے کہا۔

"بکومت۔" وہ اس کی شرارت پر لال ہوئی۔

⁕ ------ ⁕ ------ ⁕

"آئیے میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔" اپنے قریب رکتی شاندار مرسیڈیز اور پھر اس کے خودکار گلاس غائب ہونے کے بعد کھڑکی میں جو چہرہ روشن ہوا اسے دیکھ کر وہ ایک لمحے کو انگشت بدنداں رہ گئی آنکھوں میں شناسائی کے ہزار رنگ سجائے پرشوق نظروں سے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اسٹیئرنگ کو تھامے اس کے مضبوط ہاتھ اس کے ارادوں کی طرح ہی محسوس ہو رہے تھے۔

"نو تھینکس۔" اس نے مکمل اجنبیت سے کہتے

ہوئے رخ موڑ کر پوائنٹ کو چیک کرنا چاہا گاڑی خراب ہونے کی بناء پر اسے گزشتہ چند روز سے پوائنٹ کے ذریعے یونیورسٹی جانا پڑ رہا تھا۔ ماموں نے یقین دہانی کرائی تھی کہ آج ضرور گاڑی آجائے گی وہ فکر نہ کرے۔

”شکریہ کس بات کا میں اپنی خوشی سے آپ کو لینے آیا ہوں اور آپ کو میرا مان رکھنا ہوگا۔“ وہ فطرتاً ضدی اور عادتاً غصہ ور تھا جس ماحول میں اس کی تربیت ہوئی تھی وہاں حکم دینا ہی سکھایا گیا تھا اس لیے افتی کے مسلسل انکار کے اجنبیت اور بے نیازی و بے رخی نے اسے ضد سی دلا ڈالی تھی وہ اس کی چاہت میں اپنا رویہ و عادت تک بھلائے بیٹھا تھا اور اپنے مزاج کے برخلاف اس کی کڑوی کسیلی ہتک آمیز گفتگو برداشت کر رہا تھا مگر کب تک اس کا پیمانہ صبر لبریز ہوا جا رہا تھا۔

”مان وہاں رکھا جاتا ہے جہاں آپس میں کوئی تعلق ہو اور میں آپ کو جانتی تک نہیں کجا کہ آپ کی خوشی کا پاس کرتی پھروں۔“ اس نے روکھے لہجے میں کہتے ہوئے دور سے آتے پوائنٹ کی جانب قدم بڑھائے۔

”تم یوں نہیں جاسکتیں۔“ اس کی مضبوط انگلیوں نے اس کی کلائی تھامی تھی اس کے ساتھ ہی وہ کار سے باہر نکل آیا۔

”آپ سر راہ میرا اس طرح تماشا نہیں بنا سکتے ہٹیں سامنے سے۔“ اس نے اکا دکا آتے جاتے لوگوں کو دیکھتے ہوئے غصے سے سرخ ہوتے ہوئے کہا۔

”اور نہ ہٹوں تو۔“ اس کا انداز خاصا بے باک اور بے خوف تھا وہ یوں تن کر کھڑا تھا جیسے تمام دنیا اس کی زر خرید ہو اس کے نڈر انداز نے اسے پل بھر کے لیے کنفیوژ کر ڈالا اس نے اپنی کمزور پوزیشن محسوس کرتے ہوئے پہلے لب دانتوں تلے دبائے پھر ڈھیلے پڑتے ہوئے کمزور لہجے میں التجا کی ”پلیز۔“

اس کی چمکتی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ دلکشی سے مسکرایا۔

”آج میں تمہاری بات مان رہا ہوں کل تمہیں میرا مان رکھنا ہوگا۔“ حکم نے اس کا ٹھنڈا لرزتا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ کی آنچ سے دہکایا پھر دبا کر چھوڑتے ہوئے بولا۔ ”جلد ملیں گے۔“ اس کے ساتھ ہی وہ کار میں جا بیٹھا اور لمحہ بھر میں نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ پوائنٹ کی طرف بڑھی اور پھر سیٹ پر بیٹھ کر اس نے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیری اور تشویش و تفکر سے حکم یار کے رد عمل کے متعلق سوچنے لگی۔

یونیورسٹی میں پورے وقت وہ پریشان و ڈسٹرب رہی۔ اس لیے پریڈ آف ہوتے ہی وہ وہاں سے نکل آئی۔ اس کا ارادہ جویریہ کی طرف جانے کا تھا تاکہ وہ تیمور سے بات کر کے اسے سمجھا سکے۔

”میں ابھی تمہارا ہی ذکر کر رہی تھی۔“ جویریہ اسے دیکھتے ہی کھل اٹھی۔

”تیمور سے کہو سمجھا دے اپنے دوست کو ورنہ۔“ اس کا غصہ عروج پر تھا اور پارہ ہائی ہو رہا تھا۔

”ہوا کیا ہے تسلی سے بتاؤ۔ کہیں تم یونیورسٹی سے تو نہیں آرہیں جو اتنی تپی ہوئی ہو۔“ جویریہ نے مسکراتے ہوئے گلاس میں پانی انڈیلا۔

”آخر وہ شخص اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے کیا میں اس کی زر خرید غلام ہوں یا۔۔۔“

”کون بھئی کس کی بات کر رہی ہو؟“ جویریہ نے بیچ میں اسے ٹوکا۔

”اتنی معصوم نہیں ہو تم بنو مت۔“ وہ ناگواری سے سر جھٹکتے ہوئے بولی۔

”تم حکم کی بات تو نہیں کر رہی ابھی پوچھ لیتے ہیں۔“ اس نے مڑ کر دائیں جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں تو بھئی حکم میری دوست کیا کہہ رہی ہے۔“

اس کے لفظوں پر جہاں وہ پل بھر کو ساکت کھڑی رہ گئی وہیں ایک کتابیں تلاش کرتا حکم جس کی پیٹھ تھی ان کی جانب وہ مڑا تھا اتنی تیز دھوپ میں چل کر آنے کے باعث وہ اس نیم اندھیرے کمرے میں ایک طرف کھڑے حکم کو دیکھ نہیں سکی تھی یا پھر غصے کے باعث اس نے توجہ ہی نہیں دی تھی اور نہ ہی جویریہ کے لفظوں پر غور کیا تھا۔ جس نے آتے ہی کہا تھا کہ ”بھی میں تمہارا ہی ذکر کر رہی تھی؟“

”ہاں تو کیا شکایت ہے آپ کو مجھ سے؟“ وہ اس کے سامنے آکھڑا ہوا اس کو زیر لب مسکراتے دیکھ کر وہ جل بھن کر کباب ہونے لگی۔ اس نے رخ موڑ کر جویریہ کو دیکھنا چاہا جو حکم کے حسب منشا کمرا خالی کر گئی تھی اسے جویریہ سے اس قسم کی فضول حرکت کی قطعی توقع نہ تھی۔

”کیا لگتی ہوں میں آپ کی کیوں ہر بار میرے رستے میں آکھڑے ہوتے ہو؟“ اس کی آنکھوں سے جھلکتی برہمی اور چہرے سے برستی ناگواری پر وہ درزیدہ نظروں سے اس کا پرکشش چہرہ دیکھتے ہوئے بولا۔

”بہت کچھ کبھی ان پیاسی آنکھوں میں بھی جھانک کر دیکھو جہاں تم ہی تم بسی ہو۔“ اس کے قرب کی دلفریب خوشبو اور گہری محبت چھلکاتی نظروں اور لفظوں پر اس نے تلخی سے کاٹ دار لہجے میں کہا۔

”مجھے نفرت ہے محبت اور فضول قسم کی چاہتوں سے یہ وہ دانہ ہے جو شکاری شکار پھانسنے کی کوشش میں سب سے پہلے ڈالتا ہے میں ان جملوں اور لفظوں سے متاثر ہونے والی نہیں اس کے نفرت انگیز لفظوں پر اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

”تم اتنی متنفر کیوں ہو ایک بار اعتبار تو کرو میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔“ وہ اس کی طرف بڑھا۔

”میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ آپ میرا پیچھا چھوڑ دیں مجھے سکون سے جینے دیں۔“ اس نے اضطراری کیفیت میں اپنی پیشانی مسلتے ہوئے متنفر لہجے میں کہا۔

”یہی سوال اگر میں بھی کردوں تو؟“ اس نے پتھر بنی اس پری چہرے کو دیکھا جسے صرف اپنا سکون عزیز تھا۔

”کیوں میں نے کیا کیا ہے میں آپ کا ہرگز پیچھا نہیں کرتی پھر رہی آپ کو ڈسٹرب نہیں کر رہی اور نہ ہی فون کر کے پریشان کر رہی ہوں۔“ وہ زہر خند لہجے میں بولی۔

”میرے دھیان کے پردوں پر جو تمہارا عکس ٹھہر چکا ہے وہ لمحہ بھر کو بھی میرے ذہن کو تمہاری یاد سے غافل نہیں ہونے دیتا اس کا کیا کروں؟“ بڑا بے بس اور دہائی دیتا لہجہ تھا۔

”اپنے دماغ کا علاج کروائیے وہ تلخی سے کہہ کر سر جھٹکتی باہر کی جانب بڑھی تھی۔

”افتی کہاں گئی۔ جویریہ کولڈ ڈرنک لے کر آئی تو وہ جا چکی تھی۔

”یوں لگتا ہے بھابی میں آپ کی اس پتھر دل دوست کو کبھی موم نہ کرسکوں گا۔“ حکم خاصا سا مایوس تھا اس کے آزردہ لہجے پر جویریہ مسکراتے ہوئے بولی۔

”ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔“

”تیمور کے رشتے سے وہ اسے بھابی کہنے لگا تھا اور جویریہ جو اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی اسے بھائیوں کی طرح سمجھنے لگی تھی جویریہ کے لفظوں پر وہ بھی مسکرا دیا۔

”افتی بہت سوفٹ نیچر کی ہے مگر اس معاملے (محبت و عشق) میں ہمیشہ ہی میں نے اسے متنفر دیکھا ہے اور شادی کا تو نام بھی سننا پسند نہیں کرتی ورنہ اتنی حسین لڑکی فلسفے کی موٹی موٹی کتابوں میں سر کھپانے کے بجائے اپنے شوہر کے ساتھ زندگی انجوائے کر رہی ہوتی۔“ اسے خاموش دیکھ کر وہ بولی۔ ”دراصل افتی کے والدین حیات نہیں ہیں اور ماضی میں کوئی ایسا تلخ واقعہ گزرا ہے جو اس کے دل کا ناسور بن گیا ہے اور جب تک یہ ناسور رستا رہے گا اس کی تلخی اور نفرت ہنوز برقرار رہے گی۔“

”میں کیونکر اس ناسور کو مندمل کرسکتا ہوں اور کیسے اسے اپنی محبت سے رام کروں وہ تو بے اعتباری کی سرحد پر کھڑی تھی۔ تمام دنیا سے ہی متنفر نظر آتی ہے۔“ وہ سوچوں میں گھرا پریشانی سے سوچ رہا تھا۔ صبح کو اس کا بے بس انداز اسے اتنا اچھا لگا تھا کہ اب تک وہ اس خوشی میں سرشار اس کا پہلا روپ بھلائے بیٹھا تھا مگر اب اس سے بات کر کے اور جویریہ کی گفتگو نے اسے مایوسی کی سرحد پر لا کھڑا کیا تھا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی پلٹ نہیں سکتا تھا اور نہ ہی اس کی محبت کی بیڑیوں

سے اپنے وجود کو آزاد کرا سکتا تھا کیونکہ محبت اختیار سے باہر کسی بھی جبری کوششیں سے بالاتر ہوتی ہے کر ایسا ممکن ہوتا تو ایک سال کافی تھا اسے بھلانے کے لیے۔

* ------ * ------ *

"آپ کا خادم افراز عرض کررہا ہوں کیسے مزاج ہیں۔" اس کی شوخ و خوبصورت آواز اس کی سماعتوں سے گزر کر دل کو دھڑکا گئی تھی۔

"بڑی جلدی یاد کرلیا معلوم ہے پورے چار ماہ بعد تم نے فون کیا ہے۔" شکوہ کناں مانی چہرے پر اترتے دھنک رنگوں کو دیکھتے ہی شیبا سمجھ گئی اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس سے پوچھنا چاہا پر وہ نظر انداز کر گئی۔

"آپ کو تو خط ڈالنے کی توفیق نہیں ہوئی۔" وہ جواباً کہہ رہا تھا۔

"جب ہر دو ماہ بعد پوسٹنگ کرواتے رہو گے تو خط کیسے لکھوں گی ویسے بھی خط لکھنا کافی مشکل کام ہے۔" اس نے شرارت سے کہا۔

"جی ہاں میں ہی احمق ہوں جو ہر ماہ آپ کو خط بھجواتا ہوں۔" وہ خفگی سے گویا ہوا۔

"کیا کہہ سکتی ہوں اپنے متعلق مجھ سے بہتر جانتے ہو۔" وہ ہنسی۔

"صبا! سچ بتاؤ مجھے یاد کرتی ہو؟" اس کے لہجے سے جھلکتا اشتیاق اسے شرارت پر مجبور کرگیا۔

"اتنی مصروف ہوتی ہوں پڑھائی الگ گھر کا کام اور پھر...." وہ ٹھہری۔

"اور پھر۔" وہ مشتاق ہوا۔

"اور پھر وقت ہی نہیں ملتا کہ تمہیں یاد کروں۔" اس نے معصومیت سے جرم کا اعتراف کیا۔

"سراسر جھوٹ بول رہی ہو تم۔" وہ بے یقینی سے بولا۔ "اس لیے کہ مجھے دن میں تین بار تمہارے نام کی ہچکی آتی ہے۔" اس کے پریقین انداز پر وہ ہنس دی۔

"کیا خوش فہمی ہے جناب ہچکیوں کے متعلق سائنس تو کچھ اور ہی کہتی ہے۔"

"سائنس بھی ایک حقیقت ہے اور دل کے معاملے بھی حقیقت سے قریب تر ہوتے ہیں جب جب میں تمہیں یاد کرتا ہوں تمہارا دل بھی اسی طرح دھڑکتا ہوگا جس طرح یہاں سینے کے پنجرے میں قید قیدی دل تمہارے فراق میں دن رات آہیں بھرا کرتا ہے۔" اس کے لفظوں پر اس کا چہرہ حیا سے دہک اٹھا تھا۔

"ایک فوجی کو ایسی افسانوی' شاعرانہ باتیں کچھ زیب نہیں دیتیں۔" صبا نے اسے چھیڑا۔

"کیا فوجی انسان نہیں ہوتے یا پھر ان کے سینے میں دل نہیں ہوتا۔ ہونے والی مستقبل قریب میں مسز افراز ذرا غور سے سنیں یہ لطیف جذبات و احساسات کی تقسیم سب اشرف المخلوقات ہیں برابر یکساں طور پر ہوتی ہے کچھ اظہار فرمانا پسند کرتے ہیں میری طرح اور کچھ تمہاری طرح شرم کی بوجوہ اظہار کے قائل نہیں ہوتے مگر دل میں وہ بھی ویسے ہی جذبات رکھتے ہیں اسی طرح رنگین سوچوں کی برستی دھنک میں اپنے محبوب کے ہمراہ بہت دور بہت دور تک خیالوں میں رہنا پسند کرتے ہیں۔"

"اچھا بابا آپ کے سارے نظریات میں نے تسلیم کرلیے یہ بتائیں آپ ٹھیک ہیں نا؟" صبا کو اچانک خیال آیا۔

"گلگت بڑی خوبصورت جگہ ہے ایسا سحر انگیز حسن بکھرا ہے یہاں کہ قدم قدم پر بڑا محتاط ہونا پڑتا ہے۔"

حسن سے اور محتاط میں سمجھی نہیں۔" وہ الجھی۔

"یہ صرف جگہ ہی خوبصورت نہیں ہے بلکہ یہاں کے لوگ بھی بڑے حسین ہیں۔" وہ معنی خیزی سے گویا ہوا۔

"اوہ تو پھر کوئی پسند آیا۔" صبا کو اپنے طنزیہ لہجے پر قابو نہ رہا۔

"آجاتا اگر تم سے ملاقات نہ ہوئی ہوتی یا پھر تم میری زندگی میں شامل نہ ہوتی۔" اس کے خوبصورت اعتراف پر وہ مسکرا اٹھی۔

"اس حسین وادی میں گھومتے ہوئے بہتے شور مچاتے چشموں کے درمیان سے گزرتے اونچے پہاڑوں کو مضبوطی سے کھڑے اپنی جگہ جمے اور ان پر سورج کی حسین کرنوں کو دور تک پھیلتے دیکھ کر میں اکثر تمہیں سوچا کرتا ہوں جب اٹکھیلیاں کرتی ہوا مجھے چھوتی ہے تو سب سے پہلا خیال مجھے تمہارا آتا ہے کہ یہی ہوا تمہارے شہر میں تمہیں بھی اسی طرح چھوتی ہوگی۔ نرمی سے تمہارے بالوں کو بکھیرتی ہوگی۔"

"افراز۔ تم اس طرح کی باتیں مت کیا کرو۔" وہ جیسے کوئی جذباتیت پر پریشان ہوا اس کی اتنی چاہت و محبت اسے ہولا دیتی تھی۔

"ابھی کچھ کہا ہی کہاں ہے ڈیئر وہ وقت تو آنے دو۔" وہ شوخ ہوا تو وہ سرخ ہوگئی۔ نانی کی آمد پر اس نے اپنے پیچھے شیبا اور مونا کو آتے دیکھا اور ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔ "اچھا اپنا خیال رکھنا اور خط یاد سے لکھا کرو میں ہر روز تمہارے خط کی منتظر رہتی ہوں اب نانی سے بات کرو۔" ان کے قریب آنے پر اس نے ریسیور ان کے ہاتھ میں تھمایا اور مڑ کر شیبا کی کمر پر ایک دھموکا جڑا جو بات نہ کروانے کے غم میں انہیں بلا کر لائی تھی۔

"آداب نانی جان اور کیسی ہیں آپ؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہوں بچے تم سناؤ خیریت سے تو ہو ناں ابھی پندرہ دن پہلے ہی تمہارا خط ملا تھا۔ کبھی بوڑھے ماں باپ کو بھی یاد کرلیا کرو انہیں افراز کا یہاں فون کرنا قطعی اچھا نہیں لگا تھا چونکہ وہ قدامت پسند تھیں اس لیے شادی سے پہلے لڑکے لڑکی کا آزادانہ میل جول اور گفتگو کو قطعی پسند نہیں کرتی تھیں۔

"جی نانی جان آپ کے بغیر کہے ہر ماہ انہیں بھی یاد سے خط لکھتا ہوں' لاہور واپس جانے کا کب تک ارادہ ہے۔"

"کیوں' کیوں پوچھ رہا ہے تو؟" وہ مشکوک ہوئیں۔

"چھٹیوں پر اسی وقت گھر آؤں گا جب آپ وہاں ہوں گی ورنہ خاک مزا آئے گا۔" وہ ہنسا۔

"جیتے رہو خوش رہو۔" وہ اس کی محبت پر فوراً کھل اٹھیں اور ریسیور نزہت بیگم کو تھما دیا۔ جب کہ کچن میں صبا مسلسل شیبا کی خبر لے رہی تھی۔

"تمہیں ضرورت کیا تھی سب کو بتانے کی۔" اس نے کپ سنک پر پٹخا۔

"احتیاط سے ٹوٹ نہ جائے کہیں دس منٹ بات کرتو لی تھی تم پھر بھی مر رہی ہو۔" شیبا کو بھی غصہ آیا۔

"ہاں تو کیوں بلایا تھا تم نے؟" وہ آستین چڑھا کر اس کی طرف بڑھی۔

"اگر مجھے بات نہیں کرنے دو گی تو یہی کروں گی ہر دفعہ۔" وہ ہنوز روٹھے پن سے بولی۔

"اب تو ہرگز نہیں کرنے دوں گی اتنے مہینوں بعد اس کا فون آیا اور تم۔" اس کی پلکیں بھیگ گئیں اس کو یوں روتا دیکھ کر وہ اپنی ساری چوکڑی بھول گئی۔

"آئی ایم سوری صبا۔" اس نے متاسف لہجے میں اسے بازو کے گھیرے میں لیا۔

"دفع ہو جاؤ۔ وہ اس کے ہاتھ جھٹکتے ہوئے غرائی تو شیبا اس سے مزید چپک گئی۔

"جب تک تم معاف نہیں کرو گی تب تک نہیں ہٹوں گی۔ اس کے الفاظوں اور محبت پر وہ آنسوؤں کے درمیان مسکرا دی تو شیبا کھلکھلا کر ہنس دی۔

* ------ * ------ *

"آج کل خاموش کالیں کچھ زیادہ ہی آرہی ہیں۔" صبا نے چائے بناتے ہوئے سرسری انداز میں کہا۔

"نجانے کون میری سریلی آواز سننا چاہتا ہے؟" شیبا نے شرارت سے آنکھیں ٹپٹپائیں۔

"اللہ یہ خوش فہمیاں' کہیں اس سمندر میں ڈوب ہی نہ جایئے گا۔" مونا نے لقمہ دیا۔ تبھی فون کی بیل پھر بجنے لگی اور شیبا اچھلتی کودتی فون کی طرف دوڑ گئی۔

"ہے... ہیلو۔" ریسیور اٹھانے تک اس کی سانس پھول چکی تھی۔

یہ ہے ہیلو کیا ہوتا ہے؟" حکم دوسری طرف مسکراتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ جویریہ نے بتایا تھا کہ ان کے گھر میں

صرف شیبا ہی نٹ کھٹ ہے۔

"کس سے بات کرنی ہے؟" وہ حیران ہوئی۔

"اگر میں کہوں آپ سے ہی تو۔"

"ک...کیا...مجھ سے۔" اس کی آنکھیں پھیلیں "مگر میں تو آپ سے واقف ہی نہیں۔" وہ جتنی شوخ مزاج تھی اتنی ہی ڈرپوک اور ذرا سی اونچی آواز پر سہم جانے والی بھی۔

"مگر ہم جانتے ہیں کہ آپ شیبا بول رہی ہیں۔" اس کے پریقین لہجے پر اس کی ہتھیلیوں میں پسینہ در آیا مارے ڈر و خوف کے اس نے گھبراہٹ میں ریسیور کریڈل پر ڈال دیا تبھی افشی نے پیچھے سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ چیخ مار کر اچھل پڑی۔

"کیا فضول حرکت ہے یہ۔" افشی نے اسے گھر کا اور مسلسل بیل پر ریسیور اٹھانا چاہا تو شیبا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"نہیں، نہیں افشی ریسیور مت اٹھاؤ۔"

"مگر کیوں۔" وہ سخت متعجب تھی اس کی احمقانہ حرکت پر۔

"وہ نجانے کون بدمعاش ہے میرا نام تک صحیح بتا رہا ہے۔" وہ خوفزدگی کی کیفیت میں بولی۔

"کمال ہے وہ تو تمہاری سریلی آواز سننا چاہتا ہے اور تم گھبرا رہی ہو بدمعاش کہہ رہی ہو اسے۔" مونا نے شریر لہجے میں اسے ٹوکا۔

"ابھی تو بڑے شوق اور جوش سے تم دوڑتی ہوئی آئی تھیں۔" صبا نے بھی بدلہ اتارا۔

"بھئی ہو سکتا ہے ہمارا کوئی واقف کار ہو۔" افشی نے ان کی بحث میں چونکہ ریسیور نہیں اٹھایا تھا اس لیے اٹھا کر بولی اور ریسیور رکھ لیا۔

"زہے نصیب آپ کی آواز تو سنائی دی۔" وہ بڑی لگاوٹ سے کہہ رہا تھا۔

"کون بول رہے ہیں آپ۔"

"وہ جان کر بھی انجان بنی آخر اس کی اپنی پوزیشن کے معاملہ تھا وہ تینوں اس کے سر پر کھڑی تھیں۔

"آپ کا اپنا حکم یار عرض کر رہا ہوں۔" وہ کہہ کر دھیمے سے ہنسا۔ اس کے تو تلووں سے جلی اور سر پر بجھے والی بات ہو گئی۔

"شٹ اپ۔" اس نے کھولتے ہوئے ریسیور کریڈل پر پٹخا تھا اور پیچھے سے پلگ ہی نکال دیا۔

"کیا ہوا وہی لفنگا تھا ناں۔" "کیا اسے تمہارا ابھی نام معلوم ہے شیبا نے تصدیق چاہی۔

"اب پلگ لگانے کی قطعی ضرورت نہیں۔" اس کے بگڑے تیوروں سے ان تینوں کو اس کے غصے کا اندازہ ہو گیا۔

"افشی تمہیں تمہارے ماموں یاد کر رہے ہیں۔" نزہت بیگم کی آمد پر وہ چونکی۔

"السلام علیکم ماموں آپ نے مجھے بلایا تھا؟" اس نے اندر آتے ہوئے کہا۔

"وعلیکم السلام بھئی کہاں ہوتی ہو؟" انہوں نے اسے اپنے پاس ہی بٹھا لیا۔

"یہیں ہوتی ہو۔" اس نے مسکرا کر جواباً کہا۔

"اور پڑھائی کیسی چل رہی ہے کوئی پرابلم تو نہیں؟" انہوں نے گفتگو کو آگے بڑھایا۔

"فی الحال تو کوئی نہیں۔" اس نے سر جھکا کر کارپٹ کو تکتے ہوئے کہا۔

"جاوید الٰہی سے تو بیٹا تم اچھی طرح واقف ہو۔" انہوں نے اس کو خاموش دیکھ کر اصل بات پر آئے اور اس کی استفہامیہ نظروں پر پھر سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے بولے۔ "انہوں نے اپنے بیٹے احتشام کے سلسلے میں تمہارا رشتہ مانگا ہے۔" انہوں نے جیسے دھماکا کیا تھا۔

"لیکن ماموں میں...میں ابھی ذہنی طور پر اس سلسلے کے لیے تیار نہیں ہوں۔" ان کی بات پر اس کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا تھا اور لہجے میں تنفر و غصے ضد کے رنگ نمایاں ہو گئے۔

"بیٹا افشی ایک دن تو تمہیں شادی کرنی ہی ہے مجھے اپنی بہن سے کیا گیا وعدہ بھی پورا کرنا ہے دوسرے وہ لڑکا بھی بہت قابل اور لائق شریف ہے پھر خاندان دیکھا بھالا ہے۔ انہوں نے نرمی سے اسے قائل کرنا چاہا۔

"پلیز ماموں۔ میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔" اس نے اضطراری کیفیت میں اٹھتے ہوئے قطعیت سے کہا۔

"مجھے تم سے بہت محبت ہے اور اپنی اولاد سے بڑھ کر میں نے تمہیں چاہا ہے اور تمہاری ہر بات مانی ہے کیا تم میرا مان نہیں رکھو گی؟" ان کے آرزدہ لہجے پر اس نے ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کا مان نہیں توڑوں گی اور نہ آپ کا وعدہ جھوٹا ہونے دوں گی مگر مجھے ذہنی طور پر سیٹ ہونے کے لیے کچھ وقت چاہیے۔" وہ انہیں یوں افسردہ و ملول نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"جیتی رہو خوش رہو۔" وہ اس کا مثبت جواب پا کر کھل اٹھے تھے۔ اس کی طرف سے بے حد پریشان رہا کرتے تھے کیونکہ ہمیشہ ہی وہ شادی سے مستقل انکار کرتی آئی تھی اور اب جب کہ ان کی بیٹی صبا کی نسبت ان کی سالی کے بیٹے کے ساتھ طے ہو چکی تھی تو وہ چاہتے تھے کہ صبا کے ساتھ اگلے سال افشی کو بھی اس کے گھر کا کریں چونکہ وہ اس کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھے اسی لیے اسے جذباتی بلیک میلنگ کے ذریعے اس حد تک راضی کر چکے تھے کہ وہ شادی کے ذکر پر رام ہو چکی تھی چاہے چند مہینوں یا ایک سال کے بعد ہاں کرتی اب وہ ان کے عہد اور اپنی زبان کی پابند ہو چکی تھی۔

اپنے کمرے میں لوٹ کر وہ بے حد مضطرب اور ڈسٹرب تھی۔ اس کی زندگی کی کتاب میں لفظ شادی نہیں لکھا تھا اور اب وہ تفکر سے سوچ رہی تھی کہ چند مہینوں کے بعد فائنل سے فارغ ہو کر وہ ماموں جان سے ایسا کون سا بہانہ کر سکے گی کہ وہ فی الحال اس ذکر کو چھوڑ دیں۔

* —— * —— *

"افشی ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچو ذرا وہ اچھا انسان ہے پھر تمہارے ساتھ اپنے جذبوں کی طرح مخلص اور سچا ہے اور کس قسم کا تمہیں اس کی سچائی کا ثبوت چاہیے؟" جویریہ نے زچ ہو کر کہا۔

"اول تو میں نے کوئی ثبوت نہیں مانگا دوئم مجھے شادی کرنی ہی نہیں تو پھر میں کیوں کسی کے متعلق سوچوں۔" اس نے تنفر سے جواباً کہا۔

"سچی محبت ہر کوئی نہیں کرتا اور نہ ہی ہر کسی کا نصیب بنا کرتی ہے تم خوش قسمت ہو کہ اتنا قدر دان چاہنے والا اعلیٰ اسٹیٹس سے تعلق رکھنے والا حکم یار خان تمہارا طلب گار ہے تم اپنی جھوٹی انا اور ضد کے پیچھے اسے گنوا رہی ہو۔" جویریہ کو حقیقتاً اس کے الفاظوں پر افسوس ہوا تھا۔

"مجھے نہ اب کسی کی ضرورت ہے اور نہ ہی کبھی ہو گی میں بغیر محبت و چاہت کے رہ سکتی ہوں۔" وہ ہنوز اپنی بات پر قائم تھی۔

"جھوٹ بولتی ہو تم تمہیں اس کی محبت و چاہت کی ضرورت ہے جو تمہارے اندر کی سرد برف کو پگھلا سکے۔ تمہاری اداس آنکھوں کو زندگی کی چمک سے سجا سکے اور تمہارے دل پر لگے زخم پر اپنی محبت کا مرہم لگائے تاکہ تم بھی زندگی کی رونقوں کی طرف پلٹ سکو جی سکو جس طرح سب جی رہے ہیں۔" جویریہ نے اس کو شانوں سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔

"میں خوش بھی ہوں اور مطمئن بھی اور مجھے اپنی پرسکون زندگی میں کسی حکم یار جیسے فضول شخص کی ضرورت نہیں ہے جو اپنی احمقانہ محبت و چاہت سے مجھے جیتنے کی کوشش کرے مجھے پریشان و ڈسٹرب کرکے یہ بات اپنے دیور خاص کو اچھی طرح سمجھا دو۔" اس نے جویریہ کے ہاتھ ہٹاتے ہوئے بے رخی سے کہا۔

"تم اپنی زندگی تباہ کر رہی ہو، تمہیں آج اس کا احساس نہیں ہو رہا مگر اس وقت جب تم جوانی کے حسین و خوبصورت دور کو بہت پیچھے چھوڑ آؤ گی تب تمہیں اپنی حماقت کا احساس ہو گا اور ضرور ہو گا تب تمہیں حکم جیسے بندے کی ضرورت ہو گی جو تمہارا سہارا بن سکے جس کے وجود سے تم اپنی تنہائی اور اکیلے پن کے عذاب کو کم کر سکو مگر وقت اس وقت تمہارے ہاتھ سے نکل چکا ہو گا یہ لوگ جو آج تمہارے ساتھ ہیں یہ

اپنی' اپنی زندگی میں گم خوش و خرم ہوں گے سوائے تمہارے۔ پلیز افشی اپنے متعلق بھی سوچو زندگی اس طرح نہیں گزرا کرتی جس طرح تم گزارنا چاہتی ہو۔"
جویریہ کو وہ اس قدر عزیز تھی اس لیے وہ نہیں چاہتی تھی کہ افشی اپنی زندگی برباد کرے اگرچہ وہ اپنی ضدی اور انا پرستی کے باعث کبھی کبھی اسے بہت ہرٹ کر جاتی تھی پھر بھی وہ اسے بے حد چاہتی تھی۔
"اگر مجھے شادی ہی کرنا ہوگی تو پھر احتشام برا نہیں ہے اور ویسے بھی وہ ماموں جان کی پسند ہے۔" وہ تلخی سے مسکرائی۔
"کیا حکم کے لیے تمہارے دل میں کوئی جگہ نہیں ذرا برابر بھی نہیں؟" جویریہ کو دکھ ہوا تھا اس کی آنکھوں میں حکم کا سراپا گھوم گیا۔ کتنی آس و امید سے اس نے جویریہ کو اس کے پاس بھیجا تھا اور افشی نے اسے کتنا مایوس کیا تھا۔
"ذرہ برابر تو بہت زیادہ ہے ایک قطرہ کہتی تو بات تھی۔" وہ مزے سے کہتی ریک میں سجی کیسیں چیک کرنے لگی۔
"تم واقعی بے حس و پتھر ہو اور مجھے افسوس ہے کہ حکم جیسے انسان نے تمہارا انتخاب کیا۔" اس کے لہجے سے ملال واضح تھا۔
"چھوڑو یار اس بور ٹاپک کو ہم آپس میں اچھی دوست ہیں اور میں چاہتی ہوں کہ آئندہ تم ان محترم کے حوالے سے مجھ سے کوئی بات نہ کرو۔"
"اب شاید موقع ملے بھی نہیں میں اگلے ہفتے ابو کے پاس جا رہی ہوں۔ وہاں ابو کا بائی پاس ہونا ہے امی ایک دو روز میں چلی جائیں گی۔" وہ بے حد دلگرفتہ تھی۔
"کب تک واپسی ہوگی؟" وہ کیسیں چھوڑ کر اس کے پاس آگئی۔
"معلوم نہیں۔" جویریہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔
"جویریہ! تم میری واحد دوست ہو اور میں حکم یار کے حوالے سے اپنے اور تمہارے درمیان کوئی تلخی نہیں چاہتی۔" وہ اس کی ناراضگی بھانپ گئی تھی۔
"اور میرا مسئلہ یہ ہے کہ تم میری واحد رازدار عزیز ترین دوست ہو میں تمہیں بھی نہیں چھوڑ سکتی اور نہ ہی اس شخص کو جو بھائی کی حیثیت سے چند ہی دنوں میں مجھے بے حد عزیز ہو گیا ہے۔"
جویریہ کے الفاظوں پر وہ ہونٹ بھینچے کھڑی رہ گئی جب کہ وہ بھیگی آنکھیں لیے کمرے سے نکل گئی۔
"نہیں مسٹر حکم تم مجھے اس طرح عاجز نہیں کر سکتے اور نہ ہی جھکا سکتے ہو تم کل بھی میرے لیے اجنبی تھے اور آج بھی غیر ہی ہو۔" وہ راکنگ چیئر پر گر کر ہلتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

✲ ―――― ✲ ―――― ✲

"ہیلو کیسی ہو؟" کتابیں چیک کرتی افشی بری طرح چونکی تھی۔ متحیر نظروں سے دیکھتی وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی۔
"تم یہاں ان کا تعلق اجنبیت سے شروع ہو کر آپ سے تم تک جا پہنچا تھا مگر فاصلہ ہنوز برقرار تھا۔ جسے وہ پاٹنے کو تیار نہ تھی۔
"ارادہ تو ریسٹورنٹ تک جانے کا تھا مگر تمہیں یہاں آتے دیکھ کر میں اپنے قدموں کو روک نہ سکا۔" اس کے چہرے کو روشن کرتی مسکراہٹ اسے سخت زہر لگی۔
"میرا آپ سے کیا تعلق؟" اس نے ہاتھ میں پکڑی بک واپس ایک طرف رکھی اور سرد لہجے میں کہا۔
"بہت گہرا تعلق ہے میرے دل کے تار تمہارے دل کے تاروں سے بندھے ہوئے ہیں جب' جب تم مجھے یاد کرتی ہو سوچتی ہو میرے متعلق کچھ کہتی ہو مجھے از خود خبر ہو جاتی ہے۔"
"بیوقوف' میرا قطعی دماغ خراب نہیں ہوا کہ آپ کے متعلق فضولیات سوچتی رہوں۔" وہ دبے' دبے لہجے میں بولتے ہوئے پلٹی اور کاؤنٹر کے پاس جا کے لی گئی کتابوں کی ادائیگی کرنے لگی۔
"آج تم میرے ساتھ کافی ضرور پیوں گی۔" وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے شاپ سے باہر آیا تھا وہ ٹھہر کر

وضع داری

ساحر لدھیانوی اور سلطان مجروح پوری دونوں بڑے شاعروں میں شمار ہوتے اور فلمی شاعر کی حیثیت سے بھی ان کا بڑا شہرہ ہے۔ ایک بار ان میں بحث ہو رہی تھی۔ مجروح نے جھلا کر کہا۔
"یاد رکھو ساحر جب تم مرو گے تو تمہارے جنازے میں ایک بھی ترقی پسند ادیب شریک نہیں ہوگا۔" ساحر نے اطمینان سے کہا۔
"کوئی بات نہیں میں پھر بھی ہر ترقی پسند ادیب کے جنازے میں ضرور شریک ہوں گا۔"

نواب سائل اور جناب بے خود دہلوی' دونوں اپنے زمانے کے استاد تھے اور ایک ساتھ کسی مشاعرے میں نہیں جاتے ان کے درمیان چشمک بھی رہتی تھی لیکن یہ لوگ تھے نہایت وضع دار۔
ایک بار کسی مشاعرے میں اکٹھا ہو گئے۔
حضرت بے خود غزل نکال کر پڑھنے آگئے۔
نواب سائل وضع داری سے مجبور ہو کر لپکے اور بولے۔
"دیکھو یہ بد تمیزی مت کرو۔"
حضرت بے خود نے انہیں دیکھا اور پیچھے ہٹے ہوئے بولے۔
"ٹھیک ہے تمہی کر لو یہ بد تمیزی۔"

پیروڈی

پیروڈی میں اصل مزہ جب آتا ہے کہ اصل شعر میں صرف ایک آدھ لفظ کو بدل کر مزاح پیدا کیا جائے۔
نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکھیلیاں سوجی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں
قتیل نے پیروڈی لکھی۔
نہ چھیڑ اے ماسٹر بانکے بہاری راہ لگ اپنی
تجھے تو تھریاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

★ ✦ ✯ ✰ ✵

خیر اندیش

ایک صاحب نے اپنے دوست کو دیکھا کہ وہ بے تحاشہ سگریٹیں پیے جا رہا ہے۔ کچھ دیر بعد ان سے رہا نہ گیا تو بولے۔
"یار میں دیکھ رہا ہوں تم مسلسل سگریٹ پر سگریٹ پی رہے ہو یہ اچھی بات نہیں سگریٹیں کم کرو۔" ان کے دوست نے کہا۔
"ہاں یہ بہت بڑھ گئی ہے سوچ رہا ہوں کہ کم کر دوں گا۔" ان کے دوست نے کہا۔
"اس طرح کام نہیں چلے گا۔ یہ کم کر دوں گا کا معاملہ نہیں تم ابھی کم کرو ان کو۔" پھر رک کر ہاتھ بڑھایا اور بولے۔
"لاؤ ایک سگریٹ مجھے بھی دو۔"

اسے گھورتے ہوئے غصے سے بولی۔

"ہوش میں تو ہیں آپ۔"

"یقیناً" اور آپکو میرے ساتھ چلنا ہو گا ورنہ۔۔۔۔" اس کی گہری نظریں بہت کچھ کہہ رہی تھیں اس کے جارحانہ عزائم پر وہ دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔

"ورنہ۔۔۔ کیا؟؟"

"ورنہ میں تمہیں زبردستی اپنے ساتھ بھی لے جاسکتا ہوں۔" اس نے بڑھ کر اس کا بازو اپنے شکنجے میں کسا تھا۔ وہ ساکن کھڑی رہ گئی۔ اس کی نظریں چاروں طرف آتے جاتے لوگوں کو دیکھنے لگیں جو انہیں میاں بیوی سمجھ کر شریر نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ وہ جھٹکے سے بازو چھڑا کر پیچھے ہو گئی تھی۔

"م۔۔۔میں چلتی ہوں لیکن تم میرا ہاتھ نہیں پکڑو گے۔" اس کے کنفیوژ انداز پر وہ ہنس دیا۔

"از یو وش میڈم۔"

وہ دونوں ریسٹورانٹ میں ایک ساتھ داخل ہوئے تھے کونے والی میز منتخب کر کے وہ بیٹھا تو اسے ناچار اس کا ساتھ دینا پڑا اس کے چہرے سے ناگواری اور زبردستی آنے کا حال عیاں تھا بیزارگی سے اردگرد دیکھتی جیسے وہ اس کے حکم کی منتظر تھی کہ کب وہ اشارہ کرے اور کب وہ دوڑ لگائے۔

"جب تک کافی آتی ہے تب تک ہم آپس میں بات کر سکتے ہیں۔" وہ اس کا موڈ بحال کرنے اور اسے متوجہ کرنے کے لیے بولا تھا۔

"میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔" وہ دانت پیستے ہوئے غرائی تھی اس کے بگڑے تیوروں سے قطع نظر وہ شوخی سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"بات تو آپ کو ہر صورت کرنی ہو گی کیونکہ مجھے گونگے لوگ اچھے نہیں لگتے اور اس ٹیبل پر بیٹھے دونوں فریق الحمد اللہ بول سکتے ہیں۔ ویسے آپس کی بات ہے میں اپنے پیرنٹس کو تمہارے گھر کب بھیجوں۔" وہ اتنے نارمل انداز میں کہہ رہا تھا جیسے کبھی ان کے درمیان کھٹ منٹ رہی ہو۔

"ہرگز اور قطعی نہیں میں تمہاری صورت نہیں دیکھنا چاہتی۔" اس نے اپنے اندر کا زہر اگلا تھا۔

"ویسے ہونے والے مجازی خدا کے متعلق اس قسم کی باتیں نہیں کیا کرتے۔" اس کی صحت پر جیسے اس کے الفاظوں کا کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا۔

"شٹ اپ مجھے تم سے شدید نفرت ہے۔" اس کا چہرہ غصے سے سلگ رہا تھا دل میں جیسے آگ سی لگ گئی تھی۔

"پھر وہی فضول بات اگر کوئی اپنی چاہت کا اظہار کرے تو جواباً" یا تو خاموشی اختیار کرنی چاہئے یا پھر ویسا ہی خوبصورت جواب دینا چاہئے۔" وہ دونوں ہاتھ ٹیبل پر ٹکا کر راز داری سے آگے کی طرف جھکتے ہوئے شرارت سے بولا۔

"اوہ گاڈ۔" اس نے عاجز آ کر جیسے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھاما تھا۔

"ارادہ تو میرا یہی تھا کہ تمہارے ان مخروطی حسین نازک ہاتھوں سے کافی بنوا کر پیتا مگر اب میں از خود تمہیں بنا کر دوں گا اور تمہیں پینی ہو گی۔" وہ بڑے تحکم بھرے لہجے میں اس پر جتا رہا تھا کہ وہ کافی پیے بغیر یہاں سے ہرگز نہیں جاسکتی۔ وہ مسلسل اسے کھا جانے والی نفرت انگیز نظروں سے گھور رہی تھی۔

"میں نے ایک بار پہلے بھی تمہیں کہا تھا کہ تمہاری آنکھیں بے حد حسین ہیں اگر یہ پیار سے دیکھیں تو۔" اس کے شریر لہجے پر وہ نچلا لب دانتوں تلے دباتے رخ موڑ کر گلاس وال سے باہر کے منظر کو تکنے لگی اور اس وقت کو کوسنے لگی جب اکیلے گھر سے نکلنے کا قصد کیا تھا۔

"تم آخر چاہتے کیا ہو؟؟" اس کے جبراً و زبردستی کے انداز نے اسے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد ہی بولنے پر مجبور کر ڈالا تھا جسے تپے ہوئے لہجے میں اس نے پوچھا تھا۔

"صرف تمہیں۔" اس کی گہری گرم نظروں اور لفظوں پر اس کا چہرہ دہک اٹھا۔

"بیوقوف۔ مجھے اس قسم کی فضول باتیں قطعی پسند نہیں۔" وہ بامشکل غصہ ضبط کرتے ہوئے بولی تھی۔

"لیکن مجھے پسند ہیں اور میں تمہاری پسند و ناپسند کا پابند نہیں ہوں۔" بڑے دل جلانے والے انداز میں اس نے اپنے مخصوص تحکمانہ لہجے میں کہا تھا۔

"مسٹر حکم یار خان! جو خواب تم دیکھ رہے ہو وہ کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو گا بہتر ہے اب بھی اس فضول خیال کو چھوڑ دو سرابوں کے پیچھے بھاگنے سے سوائے ملال اور دلگرفتہ مایوسی کے کچھ ہاتھ نہیں آیا کرتا۔" وہ زہریلے لہجے میں تلخی سے گویا ہوئی۔

"وہ میرا معاملہ ہے میں اسے کس طرح ہینڈل کرتا ہوں تم سے بہتر جانتا ہوں۔" اس نے کافی میں کریم ملاتے ہوئے اس کے سرخ چہرے کو بغور دیکھا اور پھر کپ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

"لیجئے میڈم کافی تیار ہے زندگی میں پہلی بار بنانے کی زحمت کی ہے وہ بھی آپ کے لیے۔"

"میں کافی نہیں پیتی۔" اس نے ہٹ دھرمی سے سخت لہجے میں انکار کیا۔

"اوہ ہو اب تو میں نے بنا دی ہے آپ کو ہر صورت پینی ہو گی پھر۔ گھر بھی تو جانا ہے۔" اس نے باہر اترتے اندھیروں پر اس کی نظر کرائی تو اسے وقت کے بہت تیزی سے گزرنے کا احساس ہوا اور اس کے آنکھوں میں جیت کا تیر تانشہ صاف نظر آیا جیسے وہ بے حد خوش ہو رہا ہو اسے مجبور و بے بس دیکھ کر لطف اندوز ہو رہا ہو۔

"میں نہیں پیوں گی۔" اس نے قطعی انداز میں نفی میں سر ہلایا تھا اور اس کا پیش کیا ہوا نازک کانچ کا خوبصورت کپ پرچ فرش پر دے مارا اس کے ساتھ ہی جس تیزی کے ساتھ وہ بیرونی دروازے کی سمت بڑھی تھی حکم یار اس کے ری ایکشن پر ششدر ہی رہ گیا۔ اس کے شدید رد عمل نے اس کے اندرونی ٹوٹ پھوٹ کو بہت واضح کر دیا تھا جب تک وہ ادائیگی کر کے باہر آیا وہ روڈ پار کر کے اپنی گاڑی اسٹارٹ کر کے جا چکی تھی۔

اس کی اتنی شدید نفرت کے پیچھے کون سا راز پوشیدہ تھا وہ اسے طشت از بام کرنا چاہتا تھا آج کی ہونے والی ذلت جب اس کی حرکت پر سب حکم یار کو عجیب استہزائیہ نظروں سے تمسخر اڑاتی ہنسی کے درمیان دیکھ رہے تھے اس کے دل پر رقم ہو چکی تھی۔

"بڑے غصے میں ہو کیا احتشام سے ملاقات ہو گئی تھی۔" صبا نے اس کے چہرے پر پھیلی لالی کو دیکھتے ہوئے شرارت سے کہا۔

"مت ہنسو صبا آئی ایم ویری اپ سیٹ۔" وہ اضطراری کیفیت میں انگلیوں سے ہاتھ کو مسلتے ہوئے سرد لہجے میں بولی اس کا سخت لہجہ اسے اجنبی پرایا پرایا سا محسوس ہوا۔

"کیا بات ہے انشی کبھی اپنا دکھ مجھ سے بھی شیئر کر لیا کرو بہن سمجھ کر نہ سہی دوست ہی سمجھ لو۔" صبا کے لہجے میں گھلی آزردگی محسوس کر کے اس نے آنکھیں کھول کر سرخ سرخ وحشت زدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں ہوا کوئی بات نہیں ہے میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ جبراً" مسکراتے ہوئے بولی۔

"انشی تم میری بکس لائیں۔" شیبا بھی وہیں چلی آئی اس کے برابر گرتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔ وہ گاڑی میں ہیں یہ لو چابیاں جا کر لے آؤ۔" اس نے کی چین اس کے حوالے کی۔

"بڑا زبردست پرفیوم لگایا ہے کب خریدا؟؟" اس نے آنکھیں نچاتے ہوئے کہا تو انشی کو یاد آیا کہ حکم یار نے سر راہ اس کا بازو اپنے شکنجے میں کسا تھا تب کتنا کم فاصلہ تھا ان کے درمیان اور اب اس کے وجود سے پھوٹتی وہ خوشبو اس کے قرب کا ہی نتیجہ تھی۔ اسے اس خوشبو سے وحشت سی ہونے لگی اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"جا کر گاڑی میں سے اپنی بکس لے آؤ۔" اس کے ساتھ ہی وہ کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

اس نے محسوس بھی نہیں کیا کہ صبا کی نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا اور اس کے چہرے کے بدلتے

رنگوں کو کتنی گہرائی سے جانچا تھا۔

* ____ * ____ *

،،نانو آپ کا کب تک لاہور جانے کا ارادہ ہے۔” شیبا نے ان کے قریب کھسکتے ہوئے پوچھا۔

،،کیوں بری لگ رہی ہوں تجھے؟” وہ بگڑیں۔

،،ایک تو نانو آپ بزرگوں میں یہی خرابی ہے نوجوان نسل کی ہر بات کو الٹے رنگ میں لیتے ہیں حالانکہ میرا مقصد محض یہ تھا کہ اگر اس بار آپ جائیں گی تو ابو سے کہہ کر میں بھی آپ کے ہمراہ چلوں گی۔” اس نے منہ بسورا۔

،،ناں بی بی، مجھے معاف رکھو پچھلے سال بھی تم گئی تھیں اور میرے سارے کبوتر طوطے سب اڑا دیئے تھے تم نے۔” نانی کو وہ روح فرسا حادثہ یاد آیا۔

،،وہ۔” جیسے یاد کر کے ہنسی تھی سچ نانو آزادی پا کر سب پرندے کس قدر خوش تھے ایک بار بھی مڑ کر آپ کی طرف نہیں دیکھا کہیں آپ پھر پکڑ لیتیں آزادی تو سبھی کو پیاری ہوتی ہے نا۔” اس نے معصومیت سے گردن ہلاتے ہوئے انہیں قائل کرنا چاہا۔

،،دفع میرے سارے اتنی محنت و شوق سے پالے پرندے اڑا ڈالے اور نام کر دیا ثواب کا کہ سب پرندے اڑنے کے بعد دعائیں دے رہے تھے۔” وہ منہ بناتے ہوئے بولیں۔

،،آپ کو کہاں وہ تو مجھے دعائیں دے رہے تھے آخر آزاد بھی میں نے کیا تھا۔” اس نے کالر اکڑائے۔

،،اور اس وقت تو کلموہی تو میرا نام لے رہی تھی۔” وہ یکدم بگڑیں۔

،،تو اس وقت آپ رو رہی تھیں ناں۔” شیبا کو اپنے الفاظ یاد آئے موٹا کو ہنستے دیکھ کر وہ اور ہنسیں۔

،،بس کر چکی کھی کھی۔”

،،نانو اسے چھوڑیں یہ بتائیں پھر میں ابو سے بات کروں لاہور جانے کی۔”

،،کوئی ضرورت نہیں ہے، پہلے گئی تھیں تو میرے کبوتر اور طوطے اڑا ڈالے تھے اب جاؤ گی تو خبر نہیں میری مرغیاں اور مرغے آزاد کر ڈالو تم سے کوئی بعید نہیں ہے۔”

،،مرغیاں اور مرغے بے وفا تھوڑی ہوتے ہیں، وہ جہاں جاتے ہیں لوٹ کر گھر ہی آتے ہیں اگر انہیں کوئی زبردستی اپنے گھر لے جانے کی کوشش نہ کرے تو۔” موٹا نے مزے سے کہا۔

،،لو اور سن لو۔” انہوں نے موٹا کی لن ترانیوں پر اسے گھورا۔

،،نانو یہ موٹا تو یونہی بے وقوف بنا رہی ہے مرغیاں اور مرغے تو ویسے بھی کام آتے ہیں ان کے گوشت سے کئی لذیذ ڈشیں تیار ہوتی ہیں۔” اس کی آنکھوں میں براؤن، لال، سفید کئی قسم کی مرغیاں گھوم گئیں۔

،،کمبخت تو میری معصوم مرغیوں پر نظر رکھے ہوئے ہے۔” انہوں نے ایک ہاتھ اس کی کمر پر رسید کیا۔

،،ہائے نانو اس عمر میں بھی آپ کی طاقت۔” کمر سہلاتے ہوئے اس نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

،،کیوں نہ ہو گی بھلا۔ انواع و اقسام کی جڑی بوٹیاں ہمہ وقت پسوا کر کھائی ہیں اصلی گھی کے ساتھ۔” موٹا نے لقمہ دیا۔

،،پچھلے سال میں گئی تھی تو مجھے روز نت نئی سبزی پکوا کر میرے سامنے رکھتی تھیں اور ارشاد فرماتی تھیں کہ ،،سارے وٹامنز انہی میں ہوتے ہیں۔”

،،تو کیا غلط کہتی تھی یہ موئے ٹی وی میں جو پروگرام کرتے ہیں اسی میں کسی سے سنا تھا میں نے۔” وہ ان کی گفتگو میں کودیں۔

،،پھر بھی نانو یہ آپ کی پالتو مرغیاں، مرغے کس کام آئیں گے بھلا ان میں بھی تو بڑے وٹامنز ہوتے ہیں۔” شیبا نے شرارت سے کہا۔

،،خبردار جو اب تو نے ان کا نام بھی لیا۔” وہ آنکھیں نکال کر بولیں۔

،،چلیں آپ ناراض ہوتی ہیں تو نہیں لیتی، یہ بتائیں اپنے بکرے کو کون سی عید پر حلال کر رہی ہیں۔” موٹا کے کہنی مارنے پر اس نے موضوع چینج کیا۔

،،ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے تھوڑا بڑا ہو جائے تو اگلے سال قربانی کے لیے فاروق (بیٹے) کو دے دوں گی۔” انہوں نے اپنا ارادہ بتایا۔

،،سوا سال کا تو ہو چکا ہو گا پچھلے سال میں لاہور گئی تو آپ اس کے بالوں پر مہندی لگا کر رنگ رہی تھیں۔” شیبا نے ہنستے ہوئے کہا۔

،،وہ تو میں اس لیے لگا رہی تھی کہ سامنے والی نصیبن کے بکرے اور ہمارے بکرے کا رنگ ایک جیسا تھا۔ اس لیے کبھی بچے باہر لے جاتے تو پتا ہی نہیں چلتا تھا اس لیے مہندی لگا کر اسے تھوڑا لال کیا تاکہ فرق رہے۔” وہ اس کی شرارت سے قطع نظر انتہائی سنجیدگی سے بتا رہی تھیں۔

،،خیر یہ تو رہنے دیں نانو آپ کا بکرا انتہائی بدتمیز اور گستاخ قسم کا تھا ہر آنے والے مہمان کو اس کی سینگوں سے پہلے مصافحہ کرنا پڑتا تھا۔ پھر گھر والوں کی صورت نصیب ہوتی تھی۔” اسے وہ ہولناک منظر یاد آگیا جب وہ گھر پہنچی تھی اور دروازے پر بندھے گستاخ بے صبر بکرے نے زوردار ٹکر سے اس کا استقبال کیا تھا۔

،،بہت سمجھدار ہے میرا شابو (بکرا) ہر کسی کو گھر میں نہیں گھسنے دیتا۔” وہ خوشی سے پھولتے ہوئے بتا رہی تھیں۔

،،جی اور چلاتا بھی بہت سر میں ہے آنے والا جاگ کھڑا ہو۔” شیبا نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

،،بس ایک ڈکرانے کی عادت کمبخت میں بڑی بری ہے۔ اکثر اس کی وجہ سے رات کو میری آنکھ کھل جاتی ہے اور پھر بڑھاپے کی نیند تو ایسی ہی ہوا کرتی ہے گئی، آئی نہیں آئی نہیں آئی۔”

،،تو بس نانو اس بار میں نے سوچ لیا ہے میں اپنی چھٹیاں لاہور ہی گزاروں گی ہو سکتا ہے اسی بہانے افراز بھائی سے بھی ملاقات ہو جائے۔” اس نے اندر آتی صبا کو دیکھ کر شرارت سے کہا۔

،،تم بھی چلو گی ناں صبا۔” موٹا نے پوچھا۔

،،کیوں نہیں اگر یہ نہیں جائیں گی تو پھر خاک مزا آئے گا۔” شیبا بولی۔

یادگار لمحے

1۔ مجھے اس شخص پر رحم آتا ہے جس کی شہرت یہ ہے کہ وہ نیک ہے اور درحقیقت وہ برا ہو۔ (حضرت علیؓ)

2۔ دعا کبھی بیکار نہیں جاتی البتہ قبول ہونے کی مختلف صورتیں ہیں۔ (رسول اللہﷺ)

3۔ انسان آنسوؤں اور مسکراہٹوں کے درمیان لٹکا ہوا پینڈولم ہے۔ (بائرن)

4۔ ہر شے کے ثواب کا اندازہ ہے مگر صبر کے ثواب کا اندازہ نہیں۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)

5۔ اگر تمہارا کھانا حسب خواہش نہ ہو تو اسے برا نہ کہو۔ (رسول اللہﷺ)

پروین کریم۔ میرپورخاص

،،بہت فضول بولتی ہو تم۔” صبا نے کشن درست کرتے ہوئے اسے گھر کا۔

،،بچی اب تم بھی کچھ سیکھ لو صبا ہی اکیلی لگی رہتی ہے۔” نانی کو جلد ہی احساس ہوا۔

،،نانو یہ تو اگلے سال بیاہ کر چلی جائے گی اس لیے کھانا پکانا سیکھ رہی ہے مجھے ابھی تھوڑی جانا ہے۔” اس کی لن ترانیوں پر صبا نے اسے گھورا۔

،،چلو جا کر سلاد بناؤ اتنی آتی ہو گی۔”

،،پھر مت کہنا کہ سارا کھیرا کھا گئی۔” شیبا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

،،میں نے تم سے سلاد بنانے کا کہا ہے کھانے کا نہیں۔” اس نے دانت پیسے۔

،،کچھ اس لڑکی سے بھی کہا کرو کہ گھر کا کام کرنے کا یہ کیا صبح اٹھیں یونیورسٹی دوڑ گئیں شام کو آئیں کھایا پیا پڑ کر سو گئیں بس۔” انہوں نے منہ بگاڑ کر کہا۔

،،نانو! وہ پڑھائی کرتی ہے اور یہ پڑھائی بہت مشکل ہوتی ہے اس کے لیے زیادہ توجہ و محنت کی ضرورت ہوتی ہے ویسے بھی میں کروں یا اتنی بات تو ایک ہی ہے آخر وہ میری بہن ہے۔” صبا نے نرمی سے انہیں سمجھایا۔

"تم سب کی آنکھوں پر اس کی محبت کی پٹی بندھی ہے اپنا بھی کچھ سوچو کل جب تم چلی جاؤ گی تب گھر کا کام کون کرے گا۔"

"امی اور شیبا ہیں ناں ویسے بھی نانو وہ آپ کے سامنے یونہی کہتی ہے ورنہ اسے بہت کچھ آتا ہے بنانا۔"

"ہا' ہائے نجانے تم لوگ کب اس کی محبت کے سحر سے نکل کر جینا سیکھو گے۔" انہوں نے جیسے ٹھنڈی آہ سی بھری تھی مونا نے صبا کو معنی خیز نظروں سے دیکھا جو مسکراتے ہوئے ڈسٹنگ کر رہی تھی۔

* ...... * ...... *

چونکہ دو دن بعد مونا' نانی کے ساتھ لاہور جا رہی تھی اس لیے مامی صبا اور شیبا کے ساتھ مونا کو بھی لے کر بازار گئی ہوئیں تھیں تاکہ بہن کو کچھ تحائف بھجوائیں اور بھانجی کو اپنی طرف سے کچھ دے کر رخصت کریں ان کے ساتھ صبا اور شیبا کا بھی پروگرام چیزیں بھجوانے کا تھا۔ افتی پہلے ہی اپنی طرف سے مونا کو تحفہ دے چکی تھی اور اس وقت بھی اسا ئنمنٹ مکمل کرنے کی خاطر وہ اکیلی ہی گھر میں تھی کیونکہ مہرالنساء بیگم (نانی) اس سے بات کرنا پسند نہیں کرتی تھیں وہ کام مکمل کر کے نہائی پھر چیما (ملازمہ) کو چائے کا کہہ کر لان میں چلی آئی۔ پائپ اٹھا کر وہ پھولوں کو پانی دے رہی تھی تب ڈور بیل کی آواز پر اس نے گیٹ کھولا اور باہر کھڑے حکم یار کو مسکراتے دیکھ کر اپنی جگہ پتھر کی ہو گئی۔ "تم' تم یہاں اس وقت۔"

"ایک ہفتے سے یونیورسٹی کیوں نہیں جا رہی ہو؟" وہ مطمئن انداز میں کار کے بونٹ سے ٹیک لگائے اس طرح حساب پوچھ رہا تھا جیسے وہ اسے اپنا گارڈ مقرر کر کے بھول گئی ہو۔

"تم سے مطلب' کیوں آئے ہو یہاں؟" اس نے خشک لہجے میں قدرے ناگواری سے پوچھا وائٹ پنک کاٹن کے کڑھائی والے سوٹ میں نکھری' نکھری غصے کی سرخی چہرے سے چھلکاتی قدرے تیکھے انداز میں اس سے پوچھتی اسے ہمیشہ سے زیادہ اچھی لگی۔ یہ انسانی فطرت ہے جو شے اس کی دسترس سے جتنی دور اور لاحاصل نظر آتی ہے وہ اسے حاصل کرنے کی اتنی ہی سعی کرتا ہے۔

"تمہیں دیکھنے۔" وہ سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے پورے استحقاق سے اس طرح گویا ہوا جیسے یہ اس کا فرض اولین ہو۔

"میں کئی بار بتا چکی ہوں مجھے اس قسم کی جذباتی فضول باتیں قطعی متاثر نہیں کر سکتیں۔" اس نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"پھر کن جذبوں سے متاثر ہوتی ہو تم یہ بتا دو؟" بڑی بے نیازی ولاپروائی سے اس نے پوچھا تھا۔

"جس جذبے کی تم بات کرتے ہو میں اس جذبے کی کبھی پذیرائی نہیں کر سکتی' یہ وہ حسین دھوکا اور سراب ہے جس کی کوئی منزل نہیں۔"

"منزل ہے' سب محبت کو کھیل نہیں سمجھتے۔" اس کے ہتک آمیز لفظوں پر اس کا چہرہ دھواں' دھواں ہونے لگا اس کا جی چاہا اس نازک کانچ سی گڑیا کو اٹھا کر اتنی زور سے فرش پر پٹخے کہ وہ ٹوٹ کر بکھر جائے تب اسے اندازہ ہو کہ کسی کا نازک دل ٹوٹتا ہے تو کیا حشر بپا ہوتا ہے۔ "ہمارے بیچ جو طبقاتی فرق ہے اس کے باوجود۔" اس کے لہجے کی سچائی محسوس کر کے اس نے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں اس کے باوجود۔" وہ پر یقین مضبوط لہجے میں بولا۔

"جایئے مسٹر حکم اور دن کے وقت خواب دیکھنا چھوڑ دیجئے آپ تو اپنی محبت کے آگے مجبور ہو کہ اپنے والدین کو زیر کر ہی لیں گے اور شاید وقتی طور پر وہ بھی اس فرق کو بھلا ڈالیں مگر آپ سے وابستہ جتنے بھی لوگ ہوں گے وہ اس تلخ حقیقت اور فرق کو کبھی فراموش نہیں کر سکیں گے یہ محبت کا نشہ بہت عارضی ہوتا ہے اور ایک وقت ایسا آئے گا جب آپ از خود اپنے ہی لوگوں میں کھڑے اس محبت پر لعنت وملامت بھیج رہے ہوں گے۔ ایسا وقت آنے سے پہلے لوٹ جائیں۔" اس نے خاصے کڑوے لہجے میں کہہ کر دھاڑ سے دروازہ بند کیا تھا اور پھر اپنے پیچھے ڈور بیل بجنے کے باوجود وہ بڑی بے حسی اور سفاکی کے ساتھ بھری بنی پھولوں کو پانی دیتی رہی کافی دیر بعد جا کر جب بیل ہونی بند ہوئی تب اس نے پائپ ایک طرف پھینک کر ہاتھ دھوئے نل بند کیا اور اندر کی طرف بڑھ گئی۔

"بی بی چائے۔" چیما چائے لیے حاضر تھی۔

"شکریہ چیما۔" وہ کپ لیتی اپنے کمرے میں چلی آئی اس کے اعصاب جیسے شدید ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہے تھے اندر ایک آگ سی جل رہی تھی لگتا تھا کہ آنکھوں کے رستے آنسوؤں کی صورت بہہ جانا چاہتا تھا۔

"وہ کون تھا موا جس سے گیٹ پر کھڑی تم باتیں کر رہی تھیں۔" مہرالنساء بیگم کے الفاظوں پر اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔

"جو بھی ہو آپ کو اس سے مطلب۔" ان کے شکوک انداز اور آنکھوں سے چھلکتی حقارت پر اسے سخت تاؤ آیا اس لیے وہ خود سری و تنفر سے گویا ہوئی۔

"بی بی! یہ شریفوں کا گھر ہے ابھی سے اپنی ماں کے نقش قدم پر چلنے لگیں تمہاری پرورش تو میری پاکباز نیک سیرت بیٹی نے کی تھی۔" ان کے الفاظ جیسے زہر میں بجھے تیر تھے جو ایک ایک کر کے اس کے دل میں پیوست ہوتے چلے گئے۔

"اور اس کی بیٹی کی والدہ ہونے بناء پر میں آپ کی بے حد عزت کرتی ہوں رہ گئی ماں کے نقش قدم پر چلنے والی بات تو آپ کو اس فکر میں پریشان ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں۔" اس کے سرد لہجے پر وہ تلملا اٹھیں۔

"فکر کیوں نہ ہو آخر تم جس گھر میں رہتی ہو وہاں میری دو جوان نواسیاں رہتی ہیں ان کے مستقبل کا سوال ہے اگر تمہارے یہی لچھن رہے تو ان کو کون پوچھے گا؟ کیسے بیاہی جائیں گی وہ۔" انہوں نے نفرت بھری نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا جس کا چہرہ ان کے تضحیک بھرے الفاظوں پر دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

"میں لاہور جانے سے پہلے آج ہی نجم سے بات کرتی ہوں اسے اپنی اولاد کا مستقبل عزیز ہے کہ یہ پرایا گندا خون؟ ان کے آگ بھڑکاتے الفاظ اسکے وجود کو بھڑ بھڑ جلانے لگے تھے۔ وہ تو کہہ کر جا چکیں تھیں وہ ان کے شعلہ صفت الفاظوں میں گرمی دھڑا دھڑ جلتی جا رہی تھی در و دیوار جیسے اس پر انگلیاں اٹھا رہے تھے ریک میں سجے حسین شوپیس ہنس رہے تھے' قہقہے لگا رہے تھے اس کے اندر کی وحشت نے اسے جنونی بنا ڈالا تھا۔ اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے بلوریں کانچ کے نازک گلدان کو اٹھا کر قد آدم آئینے پر دے مارا اور پھر جو چیز اس کے ہاتھ آتی گئی وہ اسے توڑتی چلی گئی جس وقت نجم الحسن آفس سے لوٹے شور و غل کی آوازوں پر وہ اس کے کمرے میں دوڑے چلے آئے چیما دروازے میں کھڑی کانپ رہی تھی جب کہ وہ ہوش و حواس سے قطعی بیگانہ محسوس ہوئی۔

"افتی ہوش میں آؤ۔" انہوں نے آگے بڑھ کر زخمی افتی کو جھنجھوڑ ڈالا اس کے ہاتھوں چہرے سے ٹپکتا خون اس کے کپڑوں کے علاوہ کارپٹ کو آلودہ کر رہا تھا۔

"میں نہیں ہوں گندا خون۔ میں نہیں ہوں۔" وہ جیسے ریزہ ریزہ ہو گئی تھی اس کی آنکھوں سے ٹپکتے آنسو جیسے ان کے دل پر گر رہے تھے۔

"کس نے کہا تم میری بیٹی ہو صرف میری۔" وہ اس کی تکلیف پر کراہ اٹھے تھے جس دکھ کو بھلانے کے لیے اس نے اپنے آپ کو بھلا ڈالا تھا مہرالنساء بیگم کے الفاظ اس کے حافظے میں اس دکھ کو روشن کر گئے تھے اس کا نقاہت و غنودگی میں لڑھکتا ذہن جیسے ماضی کی اتھاہ گہرائیوں میں جا ڈوبا تھا۔ ان کے محبت بھرے الفاظوں سے غافل و بے خبر ہو کر وہ ان کے بازوؤں میں ڈھیلی پڑتی کارپٹ پر جا گری۔

(باقی آئندہ)

دوسرا حصہ

اریشہ غزل

کریں تو کیسے کریں آرزو بہاروں کی
کہ راس ہم کو نہیں کوئی خو بہاروں کی
عجب نہیں ہے جو کھلتے ہیں سرخ رنگ گلاب
لہو سے کرتے رہے ہیں نمو بہاروں کی

"ممّا ایک بات پوچھوں۔" آٹھ سالہ اخشیہ نے بیمار نیلم بیگم سے سوال کیا۔

"کیا۔" ان کی سوالیہ نظریں معصوم بیٹی کے چہرے پر بکھرے سوال کو پڑھنے لگیں۔

"ممّا وہ آپ بیمار ہیں نا سب آپ کو دیکھنے آتے ہیں پھر۔" اس نے ایک لمحے کو ہچکچا کر سوال ادھورا چھوڑا اور ماں کو تکتے پا کر بولی۔ "پھر بابا کیوں نہیں آتے؟" اس کے سوال پر ایک لمحے کو ان کا چہرہ تاریک ہوا وہ بے تاب لہجے میں بولیں۔

"ان سے ہمارا اب کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"کیوں' کیوں ممّا؟" اس کی سرمئی آنکھیں بھیگنے لگیں اس کا لہجہ احتجاج سے پر تھا اس کے ان گنت سوالوں کا وہ اس طرح ادھورا جواب دے کر اسے الجھا دیا کرتی تھیں اسے اپنے بابا کا دھندلا' دھندلا سا عکس یاد تھا۔

"اس لیے چاند کہ جب انسانوں کا آپس میں تعلق ٹوٹ جائے' رشتوں کا احترام اٹھ جائے تو وہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن جاتے ہیں۔" وہ کھوئے کھوئے دردناک لہجے میں گویا ہوئیں۔

"ماموں تو کہتے ہیں خونی رشتے کبھی نہیں ٹوٹتے۔" وہ جیسے بڑی آس و امید سے بولی تھی۔

"ٹوٹ جاتے ہیں' جب انسان از خود رغبت اپنانا نہ چاہیے ان سے نفرت کرے تو وہ بڑی آسانی سے اپنی موت آپ مرجاتے ہیں۔" وہ جذبات کی شدت میں چیخنے لگی تھیں ان کا سانس تیز تیز چلنے لگا ان کے ہانپنے سے ان کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا اندر آتے نجم نے آگے بڑھ کر بیمار بہن کو سنبھالا۔

"بیٹا! آپ کو کتنا بتایا ہے کہ آپ کی ممّا بیمار ہیں ان سے ایسے سوال مت کیا کریں جن سے انہیں تکلیف ہو۔" وہ متاسفانہ لہجے میں اسے سمجھا رہے تھے۔

"ماموں میں انہیں پریشان نہیں کر رہی تھی بلکہ میں تو صرف بابا جان کا پوچھ رہی تھی کہ وہ ممّا کو دیکھنے کیوں نہیں آتے یہ تو اتنی سخت بیمار ہیں نا پھر کیوں۔۔۔ کیوں؟" وہ معصومیت سے کہہ رہی تھی۔ نجم الحسن کے چہرہ پھیکا پڑ گیا وہ زیادہ دیر وہاں ٹک نہ سکے اس کی معصوم نگاہوں کے سوالوں کا وہ کیا جواب دیتے۔ اسکے ذہن و دل میں ہزاروں سوال تھے اور ان کے جواب وہ کھوجنا' ڈھونڈنا چاہتی تھی۔

اس کی اسکول کی تمام لڑکیاں صبح سویرے اپنے والدین کے ہمراہ آتی تھیں زیادہ تر کو ان کے بابا یا ڈیڈی ہی چھوڑ کر جاتے تھے کیونکہ اکثر مردوں کا آفس ٹائم بھی وہی ہوتا تھا اس لیے وہ با آسانی اس ذمے داری کو نبھاتے تھے۔ وہ پہلے نیلم بیگم کے ساتھ اسکول آتی تھی پھر جب ان کی بیماری بڑھی تھی نجم الحسن اسے اسکول چھوڑ کر آنے لگے وہ ان کے ہمراہ اسکول آتی تو اس کی نظریں ان لڑکیوں میں الجھنے لگتیں جو گاڑی سے اترتے وقت اپنے والد کے گال پر پیار کرتے ہوئے ٹاٹا کرتے ہوئے اترتیں یا پھر کوئی خوبصورت پرامس جسے چھٹی کے بعد انہیں ہر صورت نبھانا ہوتا اکثر اس سے اس کے والد کا پوچھتیں اور وہ یہی سوال اپنے علاوہ نیلم بیگم سے دہراتی کہ آخر وہ کہاں تھے اور ان کے ساتھ یا ان کے پاس کیوں نہیں رہتے تھے؟ اس کے سوالوں کا نیلم بیگم کے پاس کوئی جواب نہ ہوتا وہ اکثر اسی قسم کی لایعنی باتیں کرتیں جو اسے بے حد مشکل اور نا سمجھ میں آنے والی لگتیں۔ وہ اس وقت خاموش ہو جاتی پھر دو تین روز بعد وہی سوال دہراتی اور ان کے وہی نا سمجھ میں آنے والے جواب سن کر آزردہ ہو جاتی جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا اپنی ماں کو یہیں دیکھا تھا۔ تنہائی میں چھپ کر سسکتے ہوئے بیماری کی بے رحم گود میں دن رات گھلتے ہوئے۔

"منّی۔" ماں کی آواز پر وہ اپنی سوچوں سے باہر نکل آئی اور چھوٹے' چھوٹے قدم اٹھاتی ان کے بیڈ کے قریب آ رکی ان کی آنکھیں حلقوں میں دھنسی خالی خالی اداس و بے جان سی لگ رہی تھیں۔

"جی ممّا۔" اس نے اپنے چھوٹے سے ہاتھ سے انکی آنکھوں کے کنارے صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

"تم۔۔۔" انہوں نے ٹھہر کر بولنا شروع کیا۔ "اپنے

بابا کو دیکھنا چاہتی ہو نا؟" ان کے دکھ سے چور لہجے سے بیگانہ وہ ان کے خلاف توقع الفاظوں پر حیران رہ گئی۔

"ہاں ممّا میں۔۔۔ میں انہیں دیکھنا ان سے ملنا چاہتی ہوں کہ۔۔۔ میرے بابا کیسے ہیں' کہاں ہیں وہ ہمارے پاس کیوں نہیں رہتے۔" اس نے شدت جذبات سے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے بے پناہ مسرت سے کہا تو ان کی آنکھوں میں رکے آنسو تیزی کے ساتھ آنکھوں کے کنارے سے بہتے ہوئے بالوں میں جذب ہونے لگے پچھلے ہفتے ہی نجم الحسن نے سرسری انداز میں نیلم سے اس کا ذکر کیا تھا کہ وہ اپنی وائف اور بیٹے کے ہمراہ یہیں پوش علاقے میں رہائش پذیر ہے اگر وہ کہے تو وہ اخشیہ کو اس سے ملوا لائیں گے' وہ اس کی اپنے باپ کے سلسلے میں جذباتی واقفیت سے اچھی طرح آگاہ تھے اس وقت انہوں نے سختی سے انکار کر ڈالا تھا مگر اب اپنی ذاتی انا سے زیادہ بیٹی کی چاہت و محبت مجبور کر رہی تھی۔

"تم جاؤ گی ان کے پاس؟" انہوں نے بھیگے لہجے میں کہا تو وہ خوشی سے ان سے لپٹ گئی۔

"ہاں ممّا میں ان سے مل کر بتانا چاہتی ہوں کہ میں ان کو کتنا مس کیا کرتی تھی اور اگر وہ ہمارے ساتھ ہوتے تو ہمیں ماموں کے ساتھ کیوں رہنا پڑتا پھر ہمارا اپنا خوبصورت سا گھر ہوتا' بابا روز مجھے اسکول چھوڑ کر آتے اور ویک اینڈ پر جب ان کے ساتھ خوب انجوائے کرتی جب وہ یہاں آجائیں گے تو پھر۔۔۔ تو پھر اپنے گھر چلیں گے اور ایک ساتھ اکٹھے رہیں گے۔ ہیں نا۔" وہ آس و امید کے چراغ روشن کیے ان کے مثبت جواب کی منتظر تھی۔

"میں بھائی سے کہہ دوں گی وہ تمہیں چھوڑ آئیں گے۔" وہ اذیتوں میں گھری بہ مشکل بولی تھیں۔

"صرف میں۔ آپ نہیں جائیں گی؟" اس نے بے یقینی و تحیر سے ان کی سمت دیکھا جن کا چہرہ دکھوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

"پہلے تم مل کر آنا پھر۔۔۔" وہ کہتے کہتے خاموش ہو گئیں دو آنسو ٹوٹ کر ان کی آنکھوں کے کنارے سے بہتے ہوئے بالوں میں جذب ہو گئے اور اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ پہلی بار اپنے بابا سے مل کر انہیں چھو کر اپنے ہونے کا احساس کر سکے گی۔ اس نے اپنے دل میں اٹھتے ہزاروں سوالوں کے جواب ان سے پوچھنے کے لیے تیار کر رکھے تھے۔ تمام رات اس نے ملنے کے اشتیاق و شوق میں اپنی ممّا کے ساتھ ان کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے گزاری۔ اسکول میں بھی عام وقت وہ ہنوز یہی سوچتی رہی کہ کب شام ہو گی وہ کب ماموں کے ہمراہ بابا جان سے ملنے جا سکے گی اور اسے دیکھ کر ان کا کیا ری ایکشن ہو گا۔ اسکول سے آ کر اس نے سست روی سے گزرتے وقت کو دیکھ کر جھنجلاتے ہوئے نیلم بیگم سے پوچھا۔

"ممّا! میں کب بابا سے ملنے جاؤں گی؟" اس کی بے چینی و اضطراب پر وہ اداسی سے اس کی صورت دیکھنے لگیں۔

"بتائیں نا ممّا۔" وہ ان کی خاموشی پر ان کا ہاتھ ہلاتے ہوئے بولی۔

"جب آفس سے آپ کے ماموں جان آجائیں گے۔" وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولیں تو اس کی مایوس نظریں دو بجاتی گھڑی کو کوفت سے دیکھنے لگیں ابھی تو خاصا وقت تھا ماموں کے گھر آنے میں وہ کس طرح یہ وقت گزارے وہ وہیں کوچ پر ٹک گئی اور ڈول اٹھا کر اس کی پونی باندھنے لگی پھر اس کھیل سے اکتا کر وہ ممانی کی طرف چلی آئی جہاں صبا اور شیبا اسکول سے آنے کے بعد پر سکون نیند سو رہی تھیں۔

"تم سوئیں نہیں؟" ممانی کے سوال پر وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ "نہیں ابھی مجھے بابا سے ملنے بھی جانا ہے ماموں کے ساتھ۔ اگر میں سو گئی تو پھر نہیں جا سکوں گی اور پھر ممّا اجازت دیں نہ دیں۔" اس کے لہجے سے جھانکتے خوف و اندیشوں پر وہ اسے پیار سے گود میں اٹھاتے ہوئے بولیں۔

"ایسا نہیں ہو گا جب تمہارے ماموں آجائیں گے میں تمہیں اٹھا دوں گی۔"

"پرامس۔" اس نے اپنا چھوٹا سا نرم و نازک

ہاتھ ان کی طرف بڑھایا۔

"پرامس۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر مسکرا دیں۔

اگرچہ پچھلی رات کی نیند پوری نہیں ہوئی تھی پھر بھی صبا کے برابر لیٹ کر اسے نیند نہیں آئی وہ سوچنے لگی "مما کے پاس ان کی ایک بھی تصویر نہیں کیوں؟ بابا کیسے ہوں گے مما کی طرح خوبصورت یا پھر عام سے۔ جیسے بھی ہوں وہ میرے بابا ہوں گے مجھے ان سے بے حد محبت ہے اور انہیں بھی مجھ سے اتنی ہی محبت ہوگی نجانے کیا مجبوری ہے وہ ہمارے پاس کیوں نہیں رہتے؟" وہ اپنی پریشان الجھن زدہ سوالیہ سوچوں سے گھبرا کر پھر نیلم بیگم کے پاس چلی آئی۔

"ممایہ کبھی کبھی وقت کیوں نہیں گزرتا؟" وہ اکتا کر جھنجلا کر بولی تھی۔

"گزر جائے گا اور وقت تو گزر ہی جاتا ہے اپنے اپنے احساسات کی بات ہوتی ہے۔" ان کی اداس آنکھیں دریچے سے باہر نجانے کیا ڈھونڈنے لگیں۔

"مما! میں بابا سے کہوں گی اگر وہ ہمارے پاس نہیں آسکتے تو پھر ہمیں اپنے پاس بلالیں میں انہیں بہت یاد کرتی ہوں اور مما آپ بھی نا۔" اس نے ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے بڑی آس سے پوچھا تھا۔ پھر چونک کر بولی۔ "مما آپ کو تو ٹمپریچر ہے میں ممانی جان سے کہتی ہوں۔" وہ باہر کی طرف بڑھنے لگی۔

"نہیں چندا! انہیں پریشان مت کرو میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ غمگین ہوگئیں تھیں نجانے کیوں؟

اور پھر شام کو جب دونوں وقت گلے مل رہے تھے اس وقت نجم ماموں کی ہمراہی میں گھنٹے بھر کا سفر طے کر کے وہ بڑے سے گیٹ کو عبور کر کے جب وسیع و عریض گھر کے لان کی روش عبور کر کے اندر پہنچی تو امیرانہ طرز رہائش اور قیمتی اشیاء از خود اپنے قیمتی و نایاب ہونے کا پتا دے رہی تھیں۔ اس کی گرفت ماموں کے ہاتھ پر سخت ہوگئی اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ طلسم کدے میں داخل ہوگئی ہو۔ جادو کا حسین محل جو اس کی دنیا سے جہاں اب تک وہ رہی تھی بالکل مختلف اور جدا تھا۔ نیا، نیا خوبصورت اور ماورا لگ رہا تھا۔

"ماموں بابا یہاں رہتے ہیں؟" اسکی متحیر آنکھیں معصومیت سے پھیلی ہوئی تھیں۔

"ہاں۔" وہ افسردگی سے مسکرائے۔

"یہ گھر تو بہت بڑا ہے اور بے حد خوبصورت۔"

"تم کیوں آئے ہو یہاں۔" بھاری مردانہ آواز پر اس نے پلٹ کر آنے والے نو وارد کو دیکھا تھا قیمتی ملبوس میں شاہانہ انداز اور نخوت سے پوچھتا وہ شخص خاصا اجنبی و بیگانہ محسوس ہو رہا تھا۔

"میں تمہاری امانت واپس کرنے آیا ہوں۔" نجم الحسن نے ان کے قریب آکر اخشیہ کا ہاتھ ان کی طرف بڑھایا اور وہ بے یقینی سے اس شخص کو دیکھنے لگی جس کی آنکھوں میں اس کے لیے نہ کوئی محبت شفقت اور نہ ہی جذبہ ہمدردی کی کوئی رمق موجود تھی۔ انہوں نے یہ نظر غائر بھی اس پر ڈالنی گوارا نہ کی تھی جسے وہ امانت کہہ کر ان کی جانب بڑھا رہے تھے۔

"کیسی امانت؟ کس کی امانت؟ ہم روزانہ خیرات کر کے بھول جاتے ہیں خیرات کا مطلب واپس لینا ہرگز نہیں ہے اور اگر تمہیں اس بچی کی پرورش کے لیے کچھ چاہئے تو کہو۔" وہ خاصے تیکھے لہجے میں بولے۔

"نواز علی خان اگر، اگر نیلم کا اصرار نہ ہوتا تو شاید میں اس معصوم کو لے کر تمہارے جیسے سنگدل، بے رحم اور پتھر دل انسان کے در پر کبھی نہیں آتا ابھی میرے بازوؤں میں اتنا دم خم ہے کہ میں انہیں از خود اپنے زور بازوؤں پر پال سکوں۔" نجم الحسن کا چہرہ مارے توہین اور غصے سے سرخ ہوگیا۔

"تو پھر یہاں کیوں آئے ہو۔" وہ ناگواری سے بولے۔

"یہ تمہارا خون ہے تمہاری اولاد ہے یہ تم سے ملنا چاہتی تھی۔" انہوں نے بڑے ٹوٹے لہجے میں اس کی خواہش سے انہیں آگاہ کیا۔

"ماموں یہ۔۔۔ یہی میرے بابا ہیں۔" اس نے بڑے مشتاق انداز میں حسرت سے پوچھا تھا۔

"ہاں بیٹا۔" انہوں نے افسوس بھرے انداز میں سر ہلایا اور وہ جیسے ان کی تمام باتیں بھول کر ان کی طرف بڑھی اور بے اختیار ان سے لپٹ گئی۔

"بابا! آپ کہاں چلے گئے تھے۔ میں روز مما سے آپ کے متعلق پوچھتی تھی میں آپ کو بہت مس کرتی تھی۔" وہ ان کی ٹانگوں سے لپٹی بے اختیار بے ساختہ کہہ رہی تھی۔ اسی وقت اندرونی کمرے سے ایک خوبصورت عورت اور چار سالہ بچہ اندر آگیا۔

"یہ کون لوگ ہیں۔" اس عورت نے سوالیہ نظروں سے نواز علی خان سے پوچھا تھا وہ بچہ دوڑ کر اخشیہ کے قریب آیا اور پھر اس کو پرے دھکیلتے ہوئے بولا۔

"یہ میرے بابا ہیں، تم کون ہو؟"

"یہ۔۔۔ یہ" اس سے پہلے کہ پریشان اخشیہ کچھ بولتی نواز علی خان نے بچے کو گود میں اٹھا کر پیار کرتے ہوئے کہا۔

"مدد کے سلسلے میں آئے ہیں۔"

"بابا! آپ صرف میرے بابا ہیں نا۔" بچے نے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے ان کا چہرہ تھامتے ہوئے بڑے یقین سے پوچھا تھا۔ اخشیہ کی نظریں ہنوز ان دونوں پر لگی تھیں اور بچہ شائد اس پر یہی جتانا چاہتا تھا کہ صرف وہی ان کا ولی عہد ہے وہ ان کی کچھ نہیں لگتی اور نہ ہی اس کا کوئی حق تھا انہیں چھونے یا ان سے پیار وصول کرنے کا۔

"ہاں بیٹا، ہم صرف آپ جیسے شیر بیٹے کے باپ ہیں۔" انہوں نے بھیگی بھیگی سرمئی شکوہ کناں آنکھوں سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ "ضمیر گل" انہوں نے ملازم کو آواز دی۔

"جی سرکار۔" اندر آکر ملازم نے مودب انداز میں پوچھا۔

"گاڑی نکالو ہم آرہے ہیں۔" انہوں نے کہتے ہوئے اس کی طرف سے دانستہ رخ موڑا تھا۔ نجم الحسن نے مایوسی کی کیفیت میں اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر دروازے کی سمت رخ کیا اس نے دروازے سے نکلتے ہوئے آخری بار مڑ کر اپنے بے حس و پتھر دل بظاہر بڑی آن بان شان والے باپ کی طرف دیکھا اور پھر رخ پھیر لیا اس کی آنکھوں کے آگے دھند پھیل رہی تھی گھر آکر وہ نیلم بیگم سے لپٹ کر ہچکیوں سے رو دی۔

"آپ ٹھیک کہتی تھیں مما انسانوں کا آپس میں تعلق ٹوٹ جائے تو وہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن جاتے ہیں بابا تو ہمیں ملے ہی نہیں وہ تو مر گئے مما وہ تو مر گئے۔" اس نے شعور سنبھالتے ہی اپنے باپ سے ملنے انہیں دیکھنے اور انہیں پانے کی سعی کی تھی ان کے متعلق جاننے اور کھوجنے کی لیکن اتنے سالوں کا انتظار رنگ بھی لایا تو کس قدر بے اثر تھا کہ اس شخص نے جس سے ملنے کے انتظار نے اسے جنون کی حد پر لا پہنچایا تھا اس کے وجود کو ماننے اور اسے اپنا کہنے سے ہی انکار کر دیا تھا۔ وہ بے قراری و دلگیری سے ان سے لپٹی رو رہی تھی اور نیلم بیگم جنہوں نے اس شخص کے پیچھے اپنی زندگی برباد کر ڈالی تھی اور ان کی بے وفائی کو روگ بنا کر سینے سے لگا لیا تھا بیٹی کا دکھ برداشت نہ کر سکیں معصوم بیٹی کا اس طرح بلکتا، رونا ان سے سہا نہ گیا اسی رات انہوں نے خاموشی سے آنکھیں موند لیں۔

اخشیہ کو تو از خود کچھ خبر نہ تھی وہ باپ کے رویئے سے اس قدر دل برداشتہ ہوئی تھی کہ شدید بخار اور بے ہوشی کی کیفیت میں کئی دن اور راتیں مدہوش رہی اور پھر ہوش کی دنیا میں آنے کے بعد ماں کی موت کا عظیم دکھ اور سانحہ بھی اس کی آنکھوں کو نم نہ کرسکا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس رات اس نے اپنی ماں سے لپٹ کر تمام آنسو بہا ڈالے ہوں اس کی خالی بنجر اداس آنکھوں میں زندگی مر گئی ہو اس دن کے بعد سے کسی نے نہیں سنا کہ کبھی بھولے سے بھی اس نے اپنے باپ کا ذکر کیا یا ان کا نام ہی لیا ہو۔

نجم الحسن نیلم کی موت اور اس کی ذہنی ابتری سے ایسے دل برداشتہ ہوئے کہ شہر چھوڑ کر کراچی چلے آئے وقت کا کام ہی گزرنا ہے وقت گزرتا گیا اور اپنے پیچھے بہت سے واقعات، بہت سے لوگ اور بہت سارے حادثات ماضی میں دفن کرتا آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔ وہ بھی نجم الحسن کے سایہ شفقت میں پروان چڑھتی گئی

بڑے ہوتے پر ماضی میں دفن کچھ راز پوشیدہ باتیں اس پر آشکار ہوئیں تو وہ لرز اٹھی نیلم بیگم کا تعلق جس بازار سے تھا وہاں شریف اور عزت دار لوگ رات تو رات دن بھی جاتے ہوئے کتراتے تھے۔ نیلم بیگم کی پرورش نور جہاں بیگم نے اور لڑکیوں سے ذرا ہٹ کر مختلف انداز میں کی تھی شروع سے انہیں تعلیم کے سلسلے میں بورڈنگ ہاؤس داخل کروا دیا گیا وہیں وہ تعلیمی مدارج کے ساتھ پروان چڑھتی گئیں انہیں کوئی اور اپنی حقیقت کی ہوا بھی نہ لگنے دی وہ ایسا نایاب ہیرا تھی جنہیں وہ ایک مخصوص وقت پر منظر عام پر لانا چاہتی تھیں تاکہ لوگوں کی نظریں خیرہ ہو جائیں اور وہ ان کی بدولت اتنا کچھ کما سکیں کہ بیٹھ کر باقی ماندہ زندگی سکھ سے گزار سکیں نیلم جیسا قیمتی لال ان کے حلقہ اثر میں کہیں اور نہیں تھا نیلم صرف حسین ہی نہیں تھیں بلکہ ذہانت کی دولت سے بھی مالا مال تھی اس نے تعلیمی مدارج بڑے کامیابی اور پوزیشن کے ساتھ پاس کیے یونیورسٹی میں ہی نواز علی خان کی وجاہت و محبت کے آگے وہ اپنا دل ہار بیٹھیں جب کہ تعلیم سے فراغت کے بعد نواز علی خان از خود بھی انہیں باقاعدہ اپنانے کا ارادہ رکھتے تھے اس سلسلے میں جب انہوں نے اپنے بڑے بھائی سے بات کی تو انہوں نے روایتوں کے آگے ان کی ایک نہ چلنے دی اور اس بات سے سختی کے ساتھ انکار کر ڈالا جس پر وہ باغی و بدگماں ہو کر وقتی غصے میں گھر چھوڑ آئے اور اپنے دوست نجم الحسن کے ساتھ رہنے لگے جو یونیورسٹی میں ان کے ساتھ زیر تعلیم تھے اپنی والدہ کی خواہش اور بیماری کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک سال پہلے وہ شادی کے فرض سے بھی سبکدوش ہو چکے تھے ان کی بیگم انہی کی طرح خوش اخلاق اور ہنس مکھ تھیں اس لیے باآسانی وہ ان کے فلیٹ میں رہائش پذیر ہو گئے۔ نجم نے انہیں نرمی سے بہت سمجھایا اور قائل کرنا چاہا تھا کہ وہ واپس کراچی لوٹ جائیں اور اپنے بھائی کو مدلل لفظوں میں سمجھانے کی کوشش کریں اس طرح فرار کی راہ اختیار کر لینے سے مسائل حل نہیں ہوا کرتے مگر ان کے خون میں رچی ضد اور انا نے انہیں واپس نہ پلٹنے دیا دوسری طرف نیلم کے تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد جب نور جہاں بیگم نے اپنی کوٹھی میں ایک بڑی تقریب میں اپنے خاص مہمانوں کے سامنے ان کی منہ دکھائی کی رسم کرائی تب وہ ان کی اصلیت اور گھناؤنے دھندے کو دیکھ کر سکتے میں آگئیں مگر اپنے پیچھے نواز علی خان کی محبت اور ان کے وجود نے انہیں بہت ڈھارس دی جو ان کی محبت میں اپنا سب کچھ ترک کر کے لاہور چلے آئے تھے انہوں نے اس وقت مصلحت کے تحت خاموشی اختیار کیے رکھی اور پھر خاموشی سے نور جہاں بیگم کے چنگل سے نکلنے میں کامیاب ہو گئیں اس حقیقت سے نواز علی کو آگاہ کیا جس نے نجم الحسن کے تعاون اور دوستوں کی مدد سے اسی شام نیلم سے نجم الحسن کے گھر خاموشی سے نکاح کر لیا نور جہاں بیگم اس حقیقت کے بعد انہیں اور ان کے ساتھ نجم کی فیملی کو بھی نقصان پہنچا سکتی تھیں اس لیے عارضی طور پر وہ نجم کے تعاون سے فیصل آباد اس کے ماموں کے گھر چلے آئے جہاں انہوں نے چند مہینے رہ کر بعد میں وہیں کرائے پر گھر لے لیا زندگی گزارنے کے لیے پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ان کے پاس جتنی رقم تھی وہ ان چار پانچ ماہ کے دوران وہ بیٹھ کر خرچ کر چکے تھے بھائی سے کسی مالی امداد کی توقع نہ تھی اس لیے انہوں نے ڈگری کی بنیاد پر پرائیویٹ ادارے میں جاب کر لی مگر تنخواہ اس قدر معمولی اور قلیل تھی کہ وہ گزرتے وقت تک ساتھ چڑچڑے ہوتے چلے گئے۔ مالی پریشانیاں، تنگدستی اور مفلسی انہوں نے کب دیکھی تھی بڑے شاہانہ انداز میں زندگی کا سفر گزارا تھا اب سر پر پڑنے والی اس افتاد نے انہیں بدمزاج بنا ڈالا تھا محبت کے رنگ بہت پھیکے اور بدرنگ لگنے لگے تھے۔ کچھ ہی عرصے بعد قدرت نے اقیہ کی صورت ان کے آنگن میں اجالا کیا تو وہ بالکل ہی مایوس ہو گئے ان کا خیال تھا کہ بیٹا ہو گا تو شائد بھائی معاف کر کے ہونے والے خاندانی وارث کو سینے سے لگا لیں۔ ان کی کوتاہی اور غلطی کو بھلا ڈالیں مگر ہونے والی بیٹی کو جو نیلم سے کہیں زیادہ حسین تھی اسے دیکھ کر ان کے

ارمانوں پر اوس پڑ گئی اقیہ کے پیدا ہونے کی خبر ملی تو نجم الحسن اس ڈیڑھ سال کے عرصے میں پہلی بار نزہت کے ہمراہ ان سے ملنے آئے کیونکہ خط و کتابت تو بہرحال اس عرصے میں ان کے درمیان ہوتی رہی تھی ان کے حالات دیکھ کر نجم الحسن نے انہیں سامان سمیٹنے کا مشورہ دیا اور لاہور چل کر ملازمت کرنے کو کہا جہاں یہاں کی نسبت ترقی کے زیادہ چانس تھے۔ دوسرے اس عرصے میں نور جہاں بیگم بھی نیلم کی طرف سے مایوس ہو چکی ہوں گی پھر وہ نواز علی خان کے منصب اور حسب نسب سے واقف تھیں جو شہر کے بڑے زمیندار اور جاگیردار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور لاہور میں ان کے ہونے کی قطعی انہیں امید نہیں ہو سکتی تھی نجم کے لفظوں نے انہیں سوچنے پر مجبور کر ڈالا وہ ویسے بھی اس دوہری زندگی سے بے زار ہو چکے تھے لاہور شفٹ ہونے کے بعد ان کی جاب ملنے تک نجم الحسن نے انہیں اپنے گھر ٹھہرنے کی دعوت دی ویسے بھی نیلم کو وہ اپنی بہن کی طرح سمجھتے تھے ان تینوں نے اکٹھے تعلیم کا سفر مکمل کیا تھا۔ لاہور آ کر کافی عرصے وہ جاب تلاش کرتے رہے پھر نجم الحسن کی کوششوں سے انہیں سرکاری جاب مل گئی۔ تنخواہ پچھلی سلیری کے مطابق بہت زیادہ تو نہ تھی مگر گزارہ تھا اور انہیں اب اس سمجھوتے بھری زندگی سے نفرت سی ہوتی جا رہی تھی۔ کبھی کبھار وہ نیلم پر بگڑتے اور اندر کا غبار لفظوں کی صورت نکالتے تو نیلم پشیمانی سے ان کی صورت دیکھنے لگتی اس وقت نجم الحسن کی مہربان شفیق ذات ہی انہیں جینے کا حوصلہ بڑھاتی جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا ان کے رویوں میں بڑی تبدیلی آتی جا رہی تھی نیلم اور اقیہ کی صورت۔ جن بیڑیوں نے ان کے قدموں کو جکڑ رکھا تھا ان سے وہ نجات چاہتے تھے اس لیے انہوں نے اندرون خانہ اپنے پرانے دوستوں سے رابطہ بحال کرنا شروع کیا۔ جنہوں نے انکا پیغام بہ آسانی ان کے بھائی کے گوش گزار کر ڈالا شہباز علی خان کو ان کی نافرمانی اور گستاخی کا خاصا ملال اور افسوس تھا اور اب اتنے سالوں بعد ان کی واپسی کے سلسلے میں ملتے پیغامات سن کر انہوں نے ان کے دوستوں پر یہ واضح کر دیا کہ "وہ اکیلا ہی گیا تھا اور اگر اکیلا ہی واپس آنا چاہتا ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں حویلی کے دروازے آج بھی اس کے لیے وا ہیں۔" بھائی کے اس دو ٹوک پیغام پر وہ سوچ و بچار میں پڑ گئے ایک طرف وہی پہلے جیسی شاہانہ طرز زندگی کی آسائشیں اور دولت کی فراوانی ان کی منتظر تھی جب کہ دوسری طرف نیلم ان کی محبت اور بیٹی جو ان سے بے حد مانوس تھی اور بہت محبت کرتی تھی وہ جتنا سوچتے اتنا الجھتے پھر آخر کار انہوں نے جانے کا فیصلہ کیا ان کا ارادہ یہی تھا کہ ایک بار چلے جائیں گے تو نیلم کے لیے بھی راہ ہموار کرنے کی کوشش کریں گے ان کے جانے کا سن کر نیلم جو ان کے بدلے تیور بہت عرصے سے دیکھ رہی تھیں مزید خدشات اور وہموں کا شکار ہو گئیں۔

"آپ مجھے اور اقیہ کو بلا لیں گے ناں۔" انہیں اپنے کپڑے پیک کرتے دیکھ کر انہوں نے اپنے وہموں کو زبان دی۔

"ہاں کیوں نہیں، بس ایک بار وہاں چلا جاؤں اور لالہ مجھے معاف کر دیں پھر دیکھنا نیلم یہ ساری غربت، پریشانیاں، محرومیاں دور ہو جائیں گی۔" وہ بے انتہا خوش اور پرجوش تھے۔

"اگر آپ نہیں آئے تو؟" ان کی آنکھیں بھیگنے لگیں وہ واحد سہارا تھے ان کا۔

"وہم مت کرو اور خوش خوش مجھے رخصت کرو تاکہ میں واپسی میں بھی خوش ہوتا ہوا آؤں۔" وہ انہیں بازو سے تھام کر مسکراتے ہوئے بولے اب وہ انہیں کیا بتاتیں کہ ان کی آنکھوں کے بدلے رنگ اور لہجے سے چھلکتی بیگانگی نے انہیں ڈرا دیا تھا سہار رکھا تھا کہ گر کہیں انہوں نے آنکھیں پھیر لیں تو وہ کہاں جائیں گی کون ان کو سہارا اور تحفظ فراہم کرے گا۔

اور پھر ان کا کہا کبھی پورا نہ ہوا دن گزرتے چلے گئے پورے تین ماہ بعد رجسٹری کی صورت انہیں طلاق نامہ مل گیا اور حق مہر کے چیک جو دس لاکھ روپے لکھوایا گیا تھا ان کی مالی معاونت کے سلسلے میں بھیجا گیا

تھا طلاق نامے نے نیلم بیگم کے حوصلوں کو توڑ ڈالا۔ وہ ٹوٹ کر بکھر گئیں محبت کے اتنے المناک انجام پر وہ دل کو روگ لگا بیٹھیں اور موذی کینسر کا شکار ہو گئیں۔ اس وقت بھی نجم الحسن نے دوست کی بے وفائی پر آگے بڑھ کر روتی بلکتی نیلم کے سر پر ہاتھ رکھا اور انہیں حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

”تم تنہا نہیں ہو‘ تمہارا بھائی ابھی زندہ ہے‘ وہ تمہیں دنیا میں تنہا نہیں بھٹکنے دے گا۔“

نجم الحسن کی محبت بھی انہیں سمیٹ نہ سکی وہ اپنی معصوم چھوٹی سی بیٹی اقتیہ کیلیے جی رہی تھیں جو اس وقت چار سال کی تھی اور اپنے بابا سے بے حد ہلی ہوئی تھی اور ان کی کمی اور اچانک جانے کے باعث بیمار پڑ گئی تھی محض اس کی خاطر انہوں نے چار سال اپنی سسکتی زندگی کو گھسیٹا تھا اور وہ دس لاکھ کا چیک انہوں نے بینک میں اکاؤنٹ کھلوا کر جمع کرا دیئے تھے تاکہ بڑے ہونے پر وہ اقتیہ کے کام آسکتے۔

نیلم بیگم کی پرسنل ڈائری سمیت تصویروں کو بھی اس نے نذر آتش کر ڈالا۔ سوائے ایک تصویر کے جس میں وہ اسے لیے کھڑی تھیں درحقیقت اس ڈائری کو پڑھ کر نئے سرے سے اس کے زخموں کے ٹانکے ادھڑ گئے تھے۔

اسے وہ سب یاد آگیا تھا جسے بھلانے کی کوشش میں وہ اپنے آپ کو بھلائے جی رہی تھی اس کے دل میں اپنے باپ کے لیے ایسی نفرت اجاگر ہوئی جو ان سمیت ان تمام مردوں کے لیے بھی تھی جو ان کی طرح امیر‘ جاگیردار‘ صاحب حیثیت ہونے کے علاوہ اس کی طرف پسندیدگی کی نظر سے بڑھتے تھے وہ ایک بار کیا ٹھکرائی گئی تھی اس نے اپنی طرف بڑھے ہر ہاتھ کو جھٹکا تھا ہر سوال کو ٹھکرایا تھا ہر جذبے کو پیروں تلے روندا تھا۔

”میں قصوروار نہیں تھی مگر آپ کی بدولت آپ کے گھر آنے جانے کی وجہ سے گناہ گار ٹھہرائی گئی اور آج تک آپ جیسے سنگدل لوگ اپنے لفظوں‘ طعنوں سے مجھ پر سنگ باری کرتے رہے ہیں۔ مجھے سب سے زیادہ آپ سے نفرت ہے بابا جان اور میں اس دن کا شدت سے انتظار کروں گی جب آپ مجھے اپنانا چاہیں گے اور میں اپنے ساتھ ہونے والی تمام زیادتیوں اور اپنی ماں کے ساتھ ڈھائے جانے والے مظالم کے بدلے آپ کو اسی طرح خالی ہاتھ تہی دامن اور تشنگی کے ساتھ لوٹا دوں گی۔“ اس کی زیر لب بڑبڑاہٹ پر صبا جو غنودگی میں تھی جاگ گئی اس نے اٹھ کر اس کے قریب آتے ہوئے اسے پکارا۔

”اقتی‘ اقتیہ۔“ اس کی پکار جیسے اسے بہت دور سے سنائی دے رہی تھی وہ بہت گہری نیند سے جاگی تھی اس کی لہو رنگ آنکھوں اور ان میں اتری وحشت پر صبا نے پلٹ کر دوسری طرف سوئی شیبا کو اٹھایا اور ابو کو بلانے بھیجا نجم الحسن جو اس کی طرف سے خاصے پریشان تھے اور آج کی اس کی حرکت پر ازحد الجھے اور ڈسٹرب تھے اس کے ہوش میں آنے کا سن کر دوڑے چلے آئے۔

”اقتیہ تم ٹھیک ہو نا۔“ وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بڑی محبت سے بولے۔

”مجھے کیا ہوا ہے ماموں میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ اس نے اپنے ہاتھوں اور چہرے پر ہوئی بینڈیج سے قطع نظر انہیں مطمئن کرنا چاہا اس کے پرسکون انداز پر انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری اور صبا شیبا کو باہر جانے کا اشارہ کیا نزہت بیگم جو ان کے پیچھے ہی چلی آئیں تھیں وہ ایک طرف ٹک گئیں تھیں انہیں مہرالنساء بیگم کی زبانی تمام باتوں سے آگاہی ہو چکی تھی اور انہیں نجم الحسن کے غصے کا بھی اچھی طرح اندازہ تھا وہ اقتیہ کے سلسلے میں بہت حساس تھے اور نیلم بیگم سے کیے وعدے کو انہوں نے اس طرح نبھایا تھا کہ شاید ہی کسی سگے بھائی نے نبھایا ہو۔

”شام میں کیا بات ہوئی تھی۔“ ان کے بارعب لہجے پر اقتیہ کو وہ تکلیف دہ واقعہ یاد آگیا جس کی بنا پر وہ نا صرف زخمی ہوئی تھی بلکہ بہت سی قیمتی اشیاء کا بھی نقصان ہوا تھا۔ اس کا چہرہ اس بات کا جیتا جاگتا ثبوت تھا۔ اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

”سوری ماموں مجھے غصہ آگیا تھا آپ کا بہت نقصان ہوا ہے ناں۔“

”یہ نقصان تمہاری تکلیف سے زیادہ نہیں ہے اصل بات بتاؤ۔“ وہ بڑی اپنائیت سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے شفقت بھرے لہجے میں بولے۔

”دراصل پچھلے ہفتے سے میں یونیورسٹی جاتی رہی بقول غزالہ (کلاس فیلو) کے کافی کام جمع ہو گیا ہے کچھ نوٹس اور اسائنمنٹ میں نے مکمل کرلیے تھے خاصا کام باقی تھا غصہ آنے کی محض یہی وجہ تھی۔“ اس نے کمزور و بودی دلیل دے کر اپنی ہی بات کی نفی کر ڈالی تھی مگر اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ مزید کچھ نہیں بتائے گی اس لیے نجم الحسن بھی خاموشی اختیار کر گئے جب کہ نزہت بیگم نے ٹھنڈی اور کب کی رکی سانس بحال کرنے کی کوشش کی تھی۔

✵ —— ✵ —— ✵

”کون ہے وہ لڑکی کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے کیا اسٹیٹس ہے اس کے والدین کا۔“ شہباز خان اس کا مدعا سن کر اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے تحکم سے گویا ہوئے۔ وہ اپنے تئیں اپنے بھائی کی بیٹی کے ساتھ اس کی اندرون خانہ بات کر چکے تھے انہیں حکم سے ایسی گستاخانہ ضد کی قطعی امید نہ تھی کہ وہ زرگل کے ہوتے ہوئے اس قسم کی بات کرنے کی جرات کر سکتا ہے۔

”بابا جان مجھے شادی لڑکی سے کرنی ہے اس کی جائیداد‘ اسٹیٹس سے نہیں۔“ وہ جیسے جز بز ہو کر بولا تھا۔

”ہمیں اسی دنیا میں انہی لوگوں کے درمیان جینا پڑتا ہے جو ہمیں عزت و مان بخشتے ہیں دنیا داری کا جو اصول ہے اسے ہم تمہاری خاطر ترک نہیں کر سکتے تم ایک کیا چار شادیاں کرو مگر اپنے خاندان میں خاندان سے باہر شادی کے بارے میں سوچنا بھی مت یہ ہماری روایتوں‘ اصولوں کے بالکل خلاف ہے۔“ ان کے غصے بھرے لہجے پر وہ نرمی سے گویا ہوا۔

”مگر ہمارے مذہب میں ہم مذہب سے شادی جائز ہے قانوناً“ اور شرعاً“ بھی پلیز بابا بات سمجھنے کی کوشش کریں اگر چار شادیوں کے بعد بھی وہ سکھ اور خوشی جو مجھے سکون نہ دے سکے تو پھر کیا فائدہ اور حاصل؟“ اس کا لہجہ آزردہ ہو گیا۔

”یہ سب وقتی باتیں اور جذبات ہوتے ہیں عقل سے سوچو بیٹے اور پھر فیصلہ کرو اگر ہم اپنی ہی روایتوں‘ اصولوں کی پاسداری نہیں کریں گے تو گزرنے والا وقت ہماری یہ آن‘ بان شان ہی نہیں بلکہ ہماری روایتیں بھی مٹا ڈالے گا ان لوگوں کے لیے ہم بھولی بسری کہانی بن جائیں گے جو آج ہمیں صبح و شام سلام کرنے آتے ہیں عزت کرتے اور تعظیم کرتے ہیں ہماری۔“ وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولے اچھی طرح اس کی ضدی طبیعت سے واقف تھے اس لیے پیار کے لفظوں میں سمجھا رہے تھے جانتے تھے غصے کی بات اور اسے بھڑکائے گی۔

”بابا جان! وہ بہت اچھی ہے میری ضد بن چکی ہے میں اسے بھول نہیں سکتا۔“ اس کے بے بس ملتجانہ لہجے پر ان کے ماتھے پر شکنیں گہری ہو گئیں۔

”اگر تم چاہو تو خاموشی سے نکاح کر لو جب تک چاہو اسے رکھ سکتے ہو مگر۔۔۔ اولاد اس کے بطن سے نہیں ہونی چاہئے یہ حق صرف خاندانی عورت کو ہی مل سکتا ہے۔“ ان کے دوٹوک فیصلہ کن الفاظوں پر خفت سے اس کا چہرہ ایک پل کے لیے رنگین ہوا وہ اچھی طرح سمجھ گیا کہ بابا جان یا گھر کا کوئی اور فرد رشتے کے سلسلے میں بات کرنے اقتیہ کے گھر نہیں جائے گا اور دوسرے طریقے سے اقتیہ اسے قبول کرے گی نہیں تیسرے طریقے میں زور زبردستی کا راستہ کھلا تھا اور وہ اس طاقت کے راستے کو اپنانا نہیں چاہتا تھا مگر اندھی محبت اور چڑھے جذبات کا دریا زوروں پر تھا اس کے ہتک آمیز رویئے اور لفظوں نے اسے بے حد ہرٹ کیا تھا جذبات کہہ رہے تھے کہ آنکھیں بند کر کے دل کی بات مانی جائے مگر عقل سمجھا رہی تھی کہ وہ رستہ صحیح نہیں تھا اور اس رستے پر رسوائیوں کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آنا تھا۔ وہ چند ملاقاتوں میں ہی اقتیہ کی ضد ہٹ

دھری اور پیار و محبت کے سلسلے میں بے زارگی و نفرت سے اچھی طرح آگاہ ہوچکا تھا اور اس کے کڑے تلخ رویئے کے پس پردہ وہ کیا محرکات تھے انہیں جاننا چاہتا تھا۔

"السلام علیکم بی بی جان۔" وہ ان کے آگے جھکا تو وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ تھام کر اس کا ماتھا چومتے ہوئے بولیں "والسلام بہت دنوں بعد آئے شہر سے ماں کا خیال بھی نہیں آتا تمہیں۔" ان کے شکوے پر وہ ان کے قدموں میں دبیز قالین پر ہی ٹک گیا۔ "ذرا کام تھا وہاں ورنہ آپ کے وجود سے میں غافل ہوسکتا ہوں بھلا۔"

"تائی جان یہ۔" زر گل خوبصورت چنری لیے اندر داخل ہوئی تھی پھر اسے زر تاج بیگم کے قدموں میں ٹکا دیکھ کر ٹھٹک گئی اور سر پر آنچل درست کرتے ہوئے دھیمے سے بولی۔ "السلام علیکم۔" اس کے پلٹتے رنگین چہرے پر اس نے اچٹتی نظر ڈال کر سرسری انداز میں جواب دیا۔

"کیا کہہ رہی تھیں تم؟" زر تاج بیگم اس کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"وہ اماں جان کہہ رہی ہیں ایسے تین دوپٹے گل جانہ سے کہہ کر منگوا لیجیے گا۔" اس نے خوبصورت ستاروں سلمیٰ سے جھلملاتی چنری ان کے ہاتھوں میں تھمائی تو وہ بولیں۔ "ذرا مجھے اوڑھ کر دکھا تجھ پر کیسی سجتی ہے یہ۔" ان کی فرمائش پر وہ تذبذب میں مبتلا ہو گئی حکم بالکل سامنے ہی براجمان تھا اور وہ ان کی بات ٹال بھی نہیں سکتی تھی اس لیے ڈھیلے ہاتھوں سے اس نے لال چنری اپنے سر پر ڈالی تھی وہ بے اختیار کہہ اٹھیں۔ "ماشاء اللہ چاند کا ٹکڑا ہے ہماری زر گل۔" گلابی عارضوں پر پھیلی شفق لو دیتی جگمگاتی سیاہ آنکھیں جو حکم کے متوجہ ہوتے ہی جھکتی چلی گئیں تھیں دراز بالوں کی لمبی سی چوٹی گود میں ڈالے دراز پلکوں کو اٹھاتی جھکاتی وہ بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ "ایسا ہی روپ تو اقصیٰ کا بھی دیکھنا چاہتا تھا مگر یوں لگتا تھا وہ جذبات و احساسات سے عاری حسین پتھر کی مورت ہو۔" وہ اس کے تصور میں ہی گم بظاہر زر گل کو دیکھنے لگا جب کہ اس کے ایک ٹک دیکھنے پر وہ مارے حیا کے زیادہ دیر وہاں ٹک نہ سکی اس کے جاتے ہی زر تاج بیگم بولیں۔

"تو پھر تمہارے بابا سے بات کروں شادی کی تاریخ کی۔"

"کس کی شادی؟" وہ ابھی تک ذہنی طور پر اقصیٰ میں ہی گم تھا اس کے لفظوں پر وہ جلبلا کر گویا ہوئیں۔

"تمہاری اور کس کی۔" ان کے الفاظوں پر وہ ہنس دیا۔ "چھوڑیں بی بی جان ابھی کچھ دن مجھے آزادی کے سانس لینے دیں شادی کے لیے عمر پڑی ہے۔" یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا ابھی اسے فریش بھی ہونا تھا سفر کی تھکان نمایاں تھی۔

* ـــــ * ـــــ *

وہ خاصی بیزارگی سے لان میں بکھرے مہمانوں کو دیکھ رہی تھی مہکتے آنچل اسے متوجہ کرسکے تھے نہ کھنکتے قہقہے نہ حسین چہروں نے اثر ڈالا تھا۔

"آپ کے کیا مشغلے ہیں اور دلچسپیاں۔" احتشام کے سوال پر اس نے قدرے کوفت سے کہا۔

"میرے مشاغل اور دلچسپیوں سے آپ کو کیا کام؟"

"ابھی نہ سہی آئندہ ہو بھی سکتا ہے۔" وہ ذو معنی لہجے میں بولا۔

"اوہ۔" وہ سنبھل کر بیٹھ گئی نجم الحسن کے اصرار اور بات کے مان رکھنے کی خاطر وہ اس پارٹی میں شریک ہوئی تھی اس کے زخم چونکہ گہرے نہیں تھے اس لیے جلد ہی بھر بھی گئے تھے مگر مہر النساء بیگم نے دل پر جو گھاؤ لگایا تھا وہ ہنوز رس رہا تھا اور اس واقعے کے دو دن بعد وہ مونا کے ساتھ لاہور چلی گئیں تھیں یہ پارٹی اعتقام الٰہی کے اعزاز میں دی گئی تھی اس کی پرموشن ہوئی تھی اور اب وہ انیس گریڈ کا آفیسر تھا (یعنی اس کا روشن مستقبل ہنہ) اقصیٰ نے سر جھٹکا تھا۔

"مجھے انسانوں سے زیادہ علمی کتابیں پڑھنے کی عادت ہے۔" اس کی بغور پڑھتی جانچتی آنکھوں پر بظاہر اس نے طنز کیا تھا۔

"اور مجھے انسانوں کو پرکھنے ان کی شخصیتوں کے اسرار جاننے میں مزہ آتا ہے۔" اس کی گہری بولتی نظروں پر وہ آنکھیں چرا کر سرسری انداز میں بولی۔

"اپنی اپنی پسند ہے جس طرح مجھے پرندوں اور جانوروں سے بے حد پیار ہے اور آنٹی بتا رہی تھیں کہ آپ کو یہ سخت ناپسند ہیں۔"

"اب اتنے بھی نہیں کسی پیارے کی خاطر میں اپنی یہ عادت ترک بھی کرسکتا ہوں۔" وہ اس کے پرکشش چہرے کو تکتے ہوئے بولا اس کے ریشہ خطمی ہونے پر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے آپ کہاں چلیں؟" وہ حیران ہوا۔

"انکل کے پاس تھوڑا انجوائے کرنے دراصل فضول گفتگو سے میں بہت جلد اکتا جاتی ہوں۔" اس نے اس کے چہرے کو پھیکا پڑتے دیکھ کر کہا۔

"اور جہاں آپ جارہی ہیں اس پھیکی گفتگو سے میں۔" اس نے شانے اچکاتے ہوئے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

"افسوس میری اور آپ کی تو ایک عادت نہیں ملتی۔" اس نے تاسف کا اظہار کیا۔

"کوششیں تو کی جاسکتی ہیں۔" وہ دوستانہ انداز میں مسکرایا۔

"سوری اس کوشش میں، میں اپنی زندگی داؤ پر نہیں لگا سکتی۔ میرے خیال میں آپ کے لیے شیبا مناسب رہے گی کیونکہ وہ واقعی اچھی ہے اور اس کی کافی عادتیں آپ سے میل کھاتی ہیں۔ یہ مفت مشورہ ہے میری طرف سے۔" وہ اس عرصے میں پہلی بار مسکرائی تھی رحمریں لب گلاب کی پنکھڑیوں کی مانند کھلے تھے وہ مبہوت ہوکر اسے دیکھتا رہ گیا اسے یوں ایک ٹک دیکھتے پاکر وہ مڑ گئی اسے جہاں اپنی خوبصورتی کا اندازہ تھا وہاں اسے دیکھ کر پتھر ہو جانے والے مردوں سے سخت نفرت بھی تھی۔

"کیا کیا باتیں ہوئیں؟" صبا شرارت سے بولی۔

"کوئی خاص نہیں، اپنی شیبا کے لیے یہ شخص مناسب رہے گا۔" وہ مطمئن انداز میں بولی وہ احتشام کی آنکھوں میں پھیلی الجھن اور سوچ کو پڑھ چکی تھی کہ وہ از خود بھی فیصلہ بدلنا چاہتا تھا کیونکہ محض حسین صورت کے ساتھ زندگی نہیں گزاری جاسکتی تھی ذہنی ہم آہنگی اور دلی وابستگی کا ہونا ازحد ضروری ہوتا ہے۔

"کیا؟ شیبا کے لیے مگر ابو تو کہہ رہے تھے وہ تمہارے۔" اقصیٰ نے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روک دیا۔

"یہ شخص شیبا کے ساتھ ہی سجتا ہے ادھر دیکھو۔" اس نے لان کے دور حصے کی طرف اشارہ کیا جہاں احتشام اس سے مایوس و دلگرفتہ ہوکر شیبا سے ٹہلتے ہوئے بات کررہا تھا اور وہ اپنی عادت کے مطابق مسلسل کھلکھلا رہی تھی۔

"مگر اقصیٰ ابو کیا سوچیں گے اور پھر شیبا تو تمہارے رشتے کے لحاظ سے ان سے بات کررہی ہے۔" صبا اس کی بات پر پریشان ہوئی۔

"ماموں کو سمجھانا میرا کام ہے ڈونٹ وری ویسے احتشام اچھا شخص ہے مگر۔ شیبا کے لیے۔" وہ صبا کے حیران ہونے پر جملہ مکمل کرتے ہوئے بولی تو صبا نے بیچارگی سے دور ٹہلتی شیبا کو دیکھا جو اس فیصلے سے بے نیاز کسی بات پر ہنس رہی تھی اور اعقام کے چہرے پر بھی بکھرے رنگ اس کے فیصلے کا پتا دے رہے تھے۔

* ـــــ * ـــــ *

"مگر جاوید یہ کس طرح ہوسکتا ہے پہلے تم نے اپنی خوشی سے اقصیٰ کو مانگا تھا۔" نجم الحسن ان کا مدعا سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ گئے۔

"مجھے اپنی غلطی کا اعتراف ہے نجم اور اقصیٰ مجھے اب بھی بہت پسند ہے اپنی بیٹیوں کی طرح مگر یار۔ یہ میری پسند کی بات نہیں ہے احتشام نے اس کے بجائے شیبا کا کہا ہے اور پھر زندگی ان بچوں نے گزارنی ہے ہمیں نہیں۔" وہ انہیں قائل کرتے ہوئے بولے۔

"جو بھی ہو اگر اقصیٰ نہیں تو پھر شیبا کے لیے بھی انکار سمجھو۔ اگر میں نے اقصیٰ سے بات نہیں کی ہوتی تو الگ بات تھی مگر اب جب کہ وہ اتنی مشکلوں سے راضی ہوئی تھی تو احتشام کے انکار سے وہ ہرٹ ہوگی اور تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں اسے اپنی اولاد

سے بڑھ کر عزیز رکھتا ہوں۔" انہیں خاصا دکھ اور صدمہ ہوا تھا احتشام کے فیصلے پر کیونکہ وہ بہت محنتی، قابل اور ذہین شخص تھا۔ اس کے نرم خو ہونے اور ٹھنڈے مزاج کی بناء پر وہ انہیں اقصیٰ کے لیے بے حد مناسب لگا تھا مگر اب..... وہ متفکر ہو چکے تھے۔

"سوچ لو' اچھی طرح نجم پھر مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کرنا پھر بھی ہو سکتا ہے کہ تمہاری بھائی اور بچیاں آج مٹھائی' لے کر باقاعدہ رشتے کے سلسلے میں گھر گئیں ہوں۔" انہوں نے انکشاف کیا تو وہ پریشان ہو اٹھے۔

"ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا تمہیں مجھ سے پوچھ لینا تھا۔" وہ ناراضگی سے بولے اور پھر ان کے جانے کے بعد انہوں نے گھر کا نمبر ملوا کر نزہت بیگم سے بات کی تو یہ سن کر انگشت بدنداں رہ گئے کہ اقصیٰ نے ان کی از خود آؤ بھگت کی اور شیبا کے لیے اس رشتے کو اوکے کر دیا ہے بقول اس کے ماموں اس کی بات نہیں ٹال سکتے۔ وہ اضطرابی کیفیت میں گھر لوٹے۔ "یہ میں کیا سن رہا ہوں اقصیٰ؟"

"اوہ ماموں آپ آگئے یہ لیں مٹھائی کھائیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے چم چم کا ٹکڑا ان کے منہ میں دیا۔

"یہ کس سلسلے میں۔" وہ اسے خوش دیکھ کر چند لمحوں کو اپنی بات بھول گئے۔

"ارے مامی نے شیبا کی بات طے کر دی ہے ناں اور ویسے بھی احتشام اچھا ہے قابل اور ویل ایجوکیٹڈ ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"کس کی اجازت سے یہ رشتہ طے ہوا ہے تم نے مجھ سے پوچھا؟" وہ غصے سے نزہت بیگم پر چڑھ دوڑے۔

"وہ..... یہ اقصیٰ کہہ رہی تھی کہ آپ نے اس سلسلے میں پہلے بھی اس سے بات کی تھی اور آپ کو احتشام بہت پسند ہے۔" نزہت بیگم جو اس قصے سے لاعلم تھیں گڑبڑا گئیں۔

"ماموں! خواہ مخواہ غصہ مت دکھائیں پندرہ دن پہلے آپ نے مجھ سے ذکر نہیں کیا تھا۔" اقصیٰ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

"مگر وہ تو....." انہوں نے کہنا چاہا۔

"بس پچھلی باتوں کو رہنے دیں آج کی بات کریں لڑکا بھی راضی ہے اور لڑکی بھی خوش ہے کیوں شیبا۔" اس نے صبا کے ساتھ جڑی شیبا کو چھیڑا۔

"میں..... نہیں تو۔" اس کے چہرے پر پھیلے قوس و قزح کے رنگ نجم الحسن کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکے انہوں نے ٹھنڈی سانس بھر کر اقصیٰ کی طرف دیکھا جو مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"آپ خوش ہیں ناں۔" اقصیٰ نے پوچھا ان کی خاموشی پر وہ بے چین ہو اٹھی تھی۔

"ہاں شیبا اور تم میں کوئی فرق نہیں۔" وہ مسکرا دیئے تو وہ ان کے بازو سے ٹک گئی

٭ ...... ٭ ...... ٭

"ہر طرف آپ کی یادوں پر لگا کے پہرے
جی کڑا کر کے میں بیٹھا کہ مت یاد آئے
ناگہاں کسی بات پہ دل ایسا دکھا
میں بہت رویا مجھے آپ بہت یاد آئے"

پندرہ دن ہو چکے تھے اسے حویلی آئے جس میں ایک ہفتہ رہ کر اس نے باقی کے دن نہر کے پاس والے کاٹیج میں زوار کے ساتھ گزارے تھے۔

"میں اسے نہیں بھول سکتا یار۔ زوار کوئی حل نکالو اس ٹینشن کا جس سے میرا دم گھٹ رہا ہے یوں لگتا ہے چاروں طرف سے میری آزادی کے دروازے بند کر دیئے گئے ہوں۔ میں اپنے والدین کو بھی نہیں چھوڑ سکتا نہ ہی وہ راستہ اپنانا چاہتا ہوں جس سے وہ ناراض ہو کر مجھ سے بالکل متنفر ہو جائے۔" اس نے بے بسی سے کہتے ہوئے پتھروں کو ٹھوکر ماری تھی۔

"اگر تم کہو تو اٹھوا لیں اسے۔" زوار نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ اس مسئلے کا حل نہیں ہے اگر..... اگر وہ یہاں آ بھی گئی تو کبھی مجھ سے شادی پر راضی نہیں ہوگی۔" حکم کو اس کے ضدی اور ہٹ دھرم روپ سے اچھی

طرح آگاہی تھی۔

"یہ بعد کے مسئلے ہیں پہلی بات تو یہ کہ اغواء شدہ لڑکی چاہے کتنی ہی طرم خان کیوں نہ ہو اجنبی لوگوں اور اجنبی جگہ پر آ کر ویسے ہی اس کی ساری اکڑ' ہٹ دھرمی اور غرور نکل جاتا ہے۔ بس ایک ہی خوف رگ و پے میں خون بن کر دوڑنے لگتا ہے کہیں بے عزت نہ کر دی جائے حالانکہ عزت تو وہیں تار' تار ہو جاتی ہے جہاں سر راہ وہ اٹھوائی جاتی ہے۔" وہ مکروہ ہنسی ہنسا۔

"میں اس طرح نہیں سوچتا زوار اس کی عزت مجھے اپنی عزت کی طرح پیاری اور عزیز ہے۔" وہ رائفل شانے سے اتارتے ہوئے سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"وہ ٹھیک ہے میں تو بتا رہا تھا کہ اس کی ساری ہٹ دھرمی' یہاں آ کر دھری رہ جائے گی اور بعد میں تم نکاح کر کے اسے گھر چھڑوا دینا اور پھر کچھ عرصے بعد چند دوستوں کی ہمراہی میں بھی اگر تم اس سے شادی کرنا چاہو گے تو اس کے والدین سر کے بل کریں گے اس کا ہاتھ تمہارے ہی ہاتھ میں دیں گے کیونکہ اغواء شدہ لڑکی کی ہمارے معاشرے میں کوئی عزت و مقام نہیں ہوتا۔ یہ کام صرف دو تین دنوں کا ہے اگر تم میرے حوالے کرو تو پھر تمہارا مسئلہ حل۔" زوار نے رائفل سے نشانہ لیتے ہوئے تیتر کا شکار کیا تھا۔ فضا میں کئی دھماکے ایک ساتھ گونجے تھے جہاں شکار گرے تھے وہاں انور خان' گل شیر اور فردوس دوڑے تھے۔

"جتنا تم سمجھتے ہو یہ مسئلہ اس طرح کا نہیں ہے۔" حکم یار خاصا مایوس تھا۔

"ہاں تو کرو شہزادے یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ تمہارے لیے تو جان حاضر ہے۔" وہ شرارت سے مسکرایا ایک لمحے کو اس کی آنکھوں میں اقصیٰ کا سراپا لہرا گیا اور دل کی بے قراری پر وہ آگے بڑھتے ہوئے سوچتا چلا گیا۔

"کیا کروں کیا وہی جو زوار کہہ رہا ہے یا پھر کسی معجزے کا انتظار کروں کہ شائد وہ پتھر موم ہو جائے۔"

٭ ...... ٭ ...... ٭

"کیوں فون کیا ہے۔" اتنے دنوں بعد وہ اس کی آواز سن کر جہاں حیران ہوئی تھی وہیں تلخی سے بولی۔

"تمہاری سریلی آواز سننے تمہیں محسوس کرنے اور یہ جاننے کے لیے کہ تم خیریت سے ہو یا نہیں۔" وہ دوسری طرف مسکرا رہا تھا۔ اس کی آواز سن کر وہ فریش ہو اٹھا تھا ساری پژمردگی دور ہو گئی تھی کہ قریب بیٹھے زوار نے اس کا روشن چہرہ ایک پل کو دیکھا اور حیران ہوا کہ ایک لڑکی نے کیسے اس کے ناقابل تسخیر دوست کو اپنی محبت کا اسیر بنا رکھا تھا۔

"میری خیریت دریافت کرنے والے تم کون ہوتے ہو' کیا رشتہ یا تعلق ہے تم سے میرا؟" وہ ہتھے سے اکھڑ گئی۔

"تم ہر وقت غصے میں کیوں رہتی ہو کبھی پیار سے بھی بات کیا کرو اور رشتہ تو ہمارے درمیان پاکیزہ محبت کا ہے جس سے تم اچھی طرح واقف ہو۔" اس کی ساری خوشی ایک پل میں ہوا ہو گئی۔

"پاکیزہ محبت کا نہیں بلکہ نفرت کا تصحیح کر لو۔" وہ جیسے غرائی تھی۔

"اچھا بگڑو نہیں' اپنے دیور سے بات کرو۔" اس نے تیزی سے کہتے ہوئے ریسیور زوار کی طرف بڑھایا تھا جب کہ وہ اس کی بات پر سن رہ گئی تھی۔

"السلام علیکم بھابھی' کیسے مزاج ہیں۔" وہ شوخی سے بولا۔

"شٹ اپ۔" اس نے سلگتے ہوئے جیسے ریسیور پٹخا تھا۔

"اوہ ہو کافی گرم مزاج ہیں بھئی۔" زوار نے موبائل آف کرتے ہوئے حکم سے کہا۔

"کیا کہا اس نے؟" حکم مسکرایا۔

"شٹ اپ۔" زوار منہ بنا کر بولا تو وہ ہنس دیا اسے اسی قسم کے جواب کی توقع تھی۔

"یار بہت دن ہو گئے ہیں اسے دیکھے ہوئے چل شہر چلتے ہیں۔"

"ابھی اس وقت تو قطعی ممکن نہیں ہے۔ کل سوچیں گے۔" زوار نے ریموٹ سے ٹی وی آن کیا

اسے مصروف دیکھ کر وہ کمرے سے باہر نکل کر لان کی طرف چلا آیا۔ چودھویں کا چاند اپنے پورے جوبن پر تھا۔ چاندنی ہر سو پھیلی ہوئی تھی اس کی نرم کرنوں میں تمام لان آف لائٹس کے باوجود روشن تھا۔ خوشگوار ہوا نے سردی کی لہر میں اضافہ کر ڈالا تھا اور وہ بغیر کسی گرم کپڑے یا شال کے یونہی ٹہلتا اقتیہ کو سوچے گیا۔

"یہ لیں۔" زر گل نے گرم شال اس کی طرف بڑھائی تو وہ اپنی سوچوں سے نکل کر چونک اٹھا۔ "تم اس وقت۔" اس نے چمکتی ڈائل والی گھڑی میں ساڑھے گیارہ ہوتے دیکھے۔

"میں سونے جارہی تھی جب پردے برابر کرتے ہوئے آپ کو یونہی سردی میں ٹہلتے دیکھا تو اپنے قدموں کو روک نہ سکی آپ ایسا کیا سوچ رہے تھے کہ موسم کی شدت کا بھی آپ کو احساس نہیں ہوسکا۔" اس کے نرم لہجے میں کھلی آزردگیاں محسوس کرکے وہ ٹھٹک گیا بلاشبہ وہ اس کی منگیتر تھی اور اس کے مقابلے میں خاصی خوبصورت بھی مگر وہ اس دل کا کیا کرتا جو اقتیہ کو دیکھ کر سنبھلتا ہی نہیں چاہا تھا۔ جو اس کے بعد کسی بھی نام پر دھڑکتا ہی نہیں تھا۔

"مجھے کچھ نہیں چاہیے تم جاکر آرام کرو رہ گئی سوچنے کی بات تو ایک مسئلہ آن پڑا ہے مگر خیر اسے حل ہو ہی جاتا ہے۔" اس کے سرد لہجے اور کٹھور لفظوں پر وہ نم آنکھوں کے ساتھ مڑ گئی۔

❋ ـــــ ❋ ـــــ ❋

"کیسی لگ رہی ہوں۔" اسکن اور مہرون کلر کے امتزاج کے رنگ کے سوٹ میں سلیقے سے کامدار بھاری دوپٹے کو سنبھالے نفیس میک اپ اور نازک زیورات کی آرائش نے اس کے حسن میں چار چاند لگا دیئے تھے۔

"ایک دم چڑیل احتشام بھائی دیکھتے ہی چیخ مار کر بھاگیں گے۔" صبا کھلکھلائی۔

"بہت خوبصورت اور زبردست لگ رہی ہو۔" شیبا کی دوست سمعی بولی۔

"سو بیوٹی فل۔" اقتیہ نے ستائشی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو شیبا مسکراتے ہوئے بولی۔

"مجھے پہلے ہی معلوم تھا یہ اپنی منگنی میں ہونے والا واقعہ دہرا رہی ہیں۔" اس نے بدلہ چکایا۔

"جی نہیں واقعہ تو اب ہوگا جب احتشام بھائی کی نظر تم پر پڑے گی۔" صبا نے مسکراتے ہوئے بالوں کو دائیں ہاتھ سے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں وہ مجھے دیکھیں گے اور کہیں گے۔ آپ آئے بہار آئی۔" شیبا نے ڈائلاگ دہرایا۔

"خوش فہمیاں۔" صبا نے اسے چڑاتے ہوئے کہا اور اقتیہ کی طرف بڑھ گئی جو ڈائری دیکھتے ہوئے نمبر چیک کررہی تھی۔ "اقتیہ نے ان کو بلوایا۔"

"ان کو کن کو؟" وہ تیزی سے صفحات پلٹتے ہوئے نام چیک کرتے ہوئے بولی وائٹ کامدار حیدر آبادی کرتے پاجامے میں سلیقے سے کیے گئے میک اپ میں ہلکی جیولری کے ساتھ اس کی شہزادیوں سی شان ہی نرالی تھی۔

"وہی جو اس دن گیٹ پر اندر آنے کی اجازت مانگ رہے تھے۔" اس کے شریر لہجے پر اقتیہ نے تیکھی نظروں سے اس کو دیکھا۔

"سوری بابا۔" وہ کھسیائی اور پلٹ کر شیبا کے برابر جا کھڑی ہوئی جو گلاس وال سے پرے آتے ہوئے مہمانوں کو چیک کررہی تھی۔ مہرالنساء بیگم چونکہ اس بات سے نزہت بیگم کو آگاہ کرچکیں تھیں ان کے توسط سے ہی انہیں بھی آگاہی ہوئی تھی اور وہ خود بھی دل سے یہی چاہتی تھیں کہ ان کی یہ پیاری سی نازک و حسین کزن کسی نائس اور شاندار بندے کی رفاقت قبول کرلے۔ مسلسل مصروف پاکر اس نے ریسیور رکھ کر باہر کا رخ کیا۔ احتشام کے گھر والے آچکے تھے صبا اپنی دوستوں کے ہمراہ لان میں موجود تھی جب کہ شیبا خاموشی سے گلاس وال سے لگی نیچے کے رخ ہوتی کارروائیاں دیکھ رہی تھی سیڑھیوں کے پاس ہی اسے حکم یار کو دیکھ کر جھٹکا سا لگا تھا۔ ایک لمحے کو وہ لڑھک کر گرتے گرتے بچی پھر تیزی سے سیڑھیاں طے کرکے اس کے پاس آتے ہوئے جبڑے بھینچے اور دبے لہجے میں اس پر غرائی تھی۔

"تم۔ تمہاری یہ ہمت۔"

"یہ ہمت تمہاری محبت نے مجھے بخشی ہے موقع بھی ہے دستور بھی ہے کیوں نہ ایک کے بجائے دو انگوٹھیاں پہنادی جائیں۔" وہ شوخ ہوئے۔

"شٹ اپ چلے جاؤ یہاں سے' میں اس خوشی کے موقع پر کوئی بدمزگی نہیں چاہتی۔" اس نے آتے جاتے مہمانوں کو دیکھ کر اس کا ہاتھ تھاما اور ایک طرف لاؤنج میں لاکر اس سے کہا۔

"بہت اچھی لگ رہی ہو۔" وہ اس کی بات نظر انداز کرکے پرسکون لہجے میں بولا اس کی گہری نظروں اور لفظوں پر اس کی قہر آلود نظریں اس کی جانب اٹھیں تھیں۔

"مسٹر حکم یار کسی خوش فہمی کا شکار مت ہونا مجھے اپنے ماموں کی عزت بہت عزیز ہے ورنہ تم جیسوں کی توضیح کرنا میں اچھی طرح جانتی ہوں۔" اس نے رخ موڑ کر سختی سے کہا۔

"کیا میرے جذبے اتنے ہی بے اثر ہیں کہ تم اسے سراب سمجھتی ہو نظر کا دھوکا فریب خیال کرتی ہو میری محبت اتنی بے معنی اور کمزور نہیں ہوسکتی کہ تمہیں جیت نہ سکے تمہاری چاہت میں' میں نے اپنے وقار مقام کو بھلا ڈالا اپنی پوزیشن داؤ پر لگا کر یہاں تک تم کو دیکھنے آیا ہوں اور تم۔" اس کی سلگتی نظریں ہی نہیں بلکہ لہجے میں بھی ایک آنچ سی تھی اقتیہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"کیا سمجھتی ہو تم اپنے آپکو تم سے زیادہ حسین و خوبصورت کوئی اور نہیں ہے۔" اس کے سخت لہجے اور آنکھوں سے ہویدا وحشت پر وہ کن فیوز ہوگئی۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں سمجھا اور نہ ہی فضولیات سوچنے کی عادی ہوں۔" اس کے غصے پر اس کی ساری تیزی طراری ہوا ہوگئی تھی دوسرے مہمانوں کے خیال اور ماموں' ممانی یا صبا کے ادھر آجانے سے بھی وہ پریشان ہواٹھی تھی کیونکہ زیادہ دیر تک اس کی گمشدگی چھپ نہیں سکتی تھی۔

"سنو اقتیہ نواز خان پہلے تم میری محبت و چاہت تھیں مگر اب ضد ہو۔" اس کا بازو پکڑ کر جھٹکے سے اسے اپنے قریب کرتے ہوئے وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا اس کی سخت گرفت میں وہ پھڑپھڑا کر رہ گئی اس کے جاتے ہی کتنی دیر تک وہ اپنے حواس درست کرتی رہی پھر بھی چہرہ اس کی سانسوں کی گرمی سے ابھی تک تپتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔

"اگر یہ ضد ہے تو تم اپنی اس خواہش کو کبھی پورا نہ کرسکو گے۔" لان میں مہمانوں کے قریب آتے ہوئے وہ نفرت سے سوچ رہی تھی۔

"کہاں رہ گئیں تھیں اقتیہ؟" صبا نے حیرانگی سے پوچھا۔

"یہیں تھی لاؤنج میں۔" وہ بہ مشکل سنبھل کر بولی۔

"اوہ تبھی فرحت (دوست) کو تم نہیں ملیں میں نے اسے تمہیں دیکھنے بھیجا تھا۔" وہ بتا رہی تھی اور اقتیہ شکر ادا کررہی تھی کہ لاؤنج دوسری طرف ہونے کے باعث اس کا بھرم رہ گیا۔

❋ ـــــ ❋ ـــــ ❋

شیبا کی منگنی کے سلسلے میں لاہور سے آئے ہوئے مہمانوں میں مہرالنساء بیگم اپنی بیٹی اور داماد کے ساتھ آئیں تھیں اور ان کے ساتھ ہی تیسرے دن لوٹ جانے کا پروگرام رکھتیں تھیں مگر صبا اور شیبا کے پرزور اصرار پر انہیں رکنا پڑا اس واقعے کے بعد سے اقتیہ اور ان کے درمیان بہت فاصلے آچکے تھے پہلے کی طرح وہ منہ اٹھا کر اقتیہ کو کچھ نہیں کہہ سکتی تھیں کیونکہ اقتیہ کے درگزر کرنے پر بات سنبھل تو گئی تھی مگر نجم الحسن نے نزہت بیگم کو تنبیہہ کردی تھی کہ وہ اپنی والدہ کو خاص لفظوں میں سمجھادیں کہ وہ اقتیہ کے سلسلے میں زہر اگلنے سے باز رہیں وہ صرف نیلم بیگم سے کیا ہوا عہد ہی نہیں نبھا رہے تھے بلکہ پانچ چھے سال پہلے جب انہیں اچانک جاب سے فارغ کردیا گیا تو اقتیہ نے اپنی مرحوم والدہ کے جمع کرائے ہوئے دس لاکھ جو اس عرصے میں ڈبل ہوچکے تھے ان میں سے آدھے نکلوا کر

نجم الحسن کو بزنس کے سلسلے میں دیئے تھے اور آج جو خوشحالی اور دولت کی ریل پیل نظر آرہی تھی وہ محض اسی پیسے کی بدولت تھی جو بروقت اقصیٰ کی مدد سے انہیں ملا تھا۔ اسی پیسے کو اپنی محنت اور قابلیت سے انہوں نے بڑھایا تھا اور پانچ سال کے عرصے میں اس رقم کو واپس اس کے اکاؤنٹ میں جمع کرادیا تھا مگر وہ اس کے احسان نہیں بھولے تھے جب اپنوں نے ساتھ چھوڑا تھا تب اقصیٰ نے کتنی محبت و خلوص سے آگے بڑھ کر انہیں سہارا دیا تھا۔ وہ اچھی طرح اس کی عادت و مزاج سے واقف تھے اس لیے بھی مہرالنساء بیگم کے خدشات پر کان نہیں دھرتے تھے بلکہ ان کی سوچ پر الٹا افسوس ہی کرتے تھے۔ اس واقعے کا ذکر لاہور جاکر مہرالنساء بیگم نے اپنی بیٹی کے آگے بھی کردیا تھا۔ اس لیے اس بار وہ آئیں تو اس کا لہجہ اقصیٰ سے خاصا اکھڑا اکھڑا تھا اور چلتے چلتے انہوں نے اپنی بہن نزہت کے کانوں میں بھی یہ بات ڈالی کہ وہ جلد از جلد اس گند (اقصیٰ) سے فارغ ہوں کبھی اس کی ماں کے ماضی سے منسلک کوئی شناسا مل گیا تو ان کی اپنی بیٹیاں بھی بیٹھی رہ جائیں گی۔ صرف وہی بدنام نہیں ہوگی بلکہ ان کی بیٹیوں پر بھی انگلیاں اٹھائی جائیں گی۔ اپنی بہن کے خیالات اور لفظوں پر وہ لرز اٹھیں اور خیر کی دعائیں کرنے لگیں مگر جو کانٹا وہ دل میں چبھو گئی تھیں اس کی چبھن ہنوز برقرار تھی۔

"اقصیٰ کے سلسلے میں بھی کچھ سوچیں۔" نزہت بیگم آخرکار اپنے اندر کھٹکتی بات کہہ اٹھیں۔

"خیریت یہ اچانک تمہیں کیسے خیال آگیا کہیں والدہ صاحبہ نے تو کوئی تعویذ گھول کر نہیں پلادیا۔" نجم الحسن مسکراتے ہوئے بولے۔

"آپ انہیں ایسا سمجھتے ہیں۔" وہ ناراضگی سے بولیں۔

"تمہاری چھوڑیں بیگم، اصل بات کریں آج اقصیٰ کا خیال کیسے آگیا اس سے پہلے تو تم نے کبھی اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی۔" وہ ہنوز اپنی بات پر قائم تھے۔

"دیکھیں ہماری صرف دو ہی بیٹیاں ہیں اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ دونوں کی ہی نسبت اچھے گھرانے میں ٹھہر گئی ہے۔ اسی طرح اقصیٰ کو بھی آپ نے اولاد کی طرح پالا ہے آخر اسے بھی تو اگلے گھر بھیجنا ہے کوئی ساری عمر بٹھا کر تو نہیں رکھنا پھر نیلم کی روح کو بھی تبھی سکون ہوگا جب اقصیٰ عزت سے اپنے گھر کی ہوجائے گی۔" انہوں نے نجم الحسن کا کمزور پہلو ڈھونڈا۔

"سچ کہتی ہو نزہت، میں اقصیٰ کی طرف سے خاصا پریشان ہوں اور از خود بھی یہی چاہتا ہوں کہ وہ عزت سے اپنے گھر کی ہوجائے مگر۔"

"مگر کیا؟" انہوں نے سوالیہ نظروں سے شوہر کا چہرہ پڑھنا چاہا جہاں تفکر پھیلا ہوا تھا۔

"وہ راضی ہو تب نا پھر اس نے ایم اے سے پہلے اس قسم کی کسی بھی تقریبات کو اٹینڈ کرنے سے مجھے منع کیا ہے وگرنہ اس کے لیے رشتوں کی کمی نہیں ہوسکتی۔" وہ تھوڑے پرسکون ہوکر بولے۔

"اس کی مرضی پر چلتے رہے تو کبھی نیلم سے کیا ہوا وعدہ وفا نہ کرسکیں گے۔ سنجیدگی سے سوچیں ذرا وہ تو کم عمر نادان ہے مگر آپ تو۔" انہوں نے متاسف نظروں سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"وہ اپنی تعلیم سے فارغ ہوجائے پھر بات کرتا ہوں ان شاء اللہ صبا، شیبا کے ساتھ اسے بھی اگلے سال اپنے گھر کا ضرور کروں گا مجھے یقین ہے وہ میری بات نہیں ٹال سکتی۔" ان کے اعتماد و اعتبار پر وہ تھوڑی مطمئن ہوئیں دل میں شور مچاتے خدشات کو پرسکون کرنے میں مدد ملی تو وہ سونے کا سامان کرنے لگیں جب کہ نجم الحسن اپنے اطراف میں نظریں دوڑا رہے تھے جس کے ساتھ وہ اقصیٰ کا بندوبست کرسکتے۔

✷ —— ✷ —— ✷

"ابو کا کامیابی کے ساتھ بائی پاس کا آپریشن ہوچکا ہے ہوسکتا ہے اگلے مہینے تک میں آجاؤں۔" شیبا کی منگنی کے اگلے ہی روز جویریہ کا سڈنی سے فون آیا تھا اس نے حکم یار کے متعلق بھی پوچھا تھا کہ اس کے جذبوں کا کچھ اثر ہوا کہ نہیں اور وہ بگڑ کر بولی تھی۔

"اس شخص کے متعلق مجھ سے کوئی بات مت کیا کرو زہر لگتا ہے مجھے۔"

"اے دل تیری آہوں میں اثر ہے کہ نہیں ہے۔" وہ شرارت سے گنگنائی تھی۔

"واقعی اثر نہیں ہے وگرنہ میں غور نہیں کرلیتی۔" وہ مطمئن انداز میں بولی۔

"اقصیٰ محبتیں ہمیشہ در نہیں کھٹکھٹاتیں اگر انہیں قبول نہ کیا جائے تو یہ بہت خاموشی سے بدحال ہوکر لوٹ جایا کرتی ہیں میں سوچتی ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں اپنے اندر کا سچ جاننے میں بہت دیر ہوجائے تب تک محبتوں کا موسم روٹھ چکا ہو وہ شخص جو کبھی تمہیں بے حد عزیز رکھتا تھا بہت دور جاچکا ہو اور جب تم آواز دو تو......؟"

"بے فکر رہو جب کبھی آواز نہیں دوں گی ایسا لمحہ زندگی میں کبھی نہیں آئے گا۔" وہ پریقین لہجے میں مضبوطی سے بولی تھی اور اس نے بے حد خاموشی سے رابطہ منقطع کردیا تھا۔ اس وقت بھی وہ جویریہ کی فریم شدہ تصویر اٹھائے بے خیالی میں اسے ہی دیکھ رہی تھی اور سوچوں میں بہت دور جا نکلی تھی تب صبا اندر چلی آئی اور ذومعنی لہجے میں بولی۔

"ارمان خورشید آئے ہیں۔" اس کے لفظوں پر وہ خالی خالی نظروں سے اس کو دیکھنے لگی۔

"ارے بھئی انہیں ابو نے بھیجا ہے اور یہ خورشید جمال کے بیٹے ہیں جو بزنس میں ابو کے ساتھ شراکت دار ہیں۔" اس کی آنکھوں کے تحریر کردہ سوالوں پر صبا نے تفصیلاً بتایا۔

"ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ اور ہاجی کو بھیج دو۔ میں ان کی آمد کے سلسلے میں کیا کرسکتی ہوں۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا اور تصویر کو اپنے مقام پر رکھا تبھی بیل ہونے پر اس نے ریسیور اٹھالیا۔

"اقصیٰ بیٹی! تھوڑی دیر تک ارمان خورشید گھر آنے والا ہے اسے میں نے تمہارے لائف پارٹنر کے طور پر پسند کیا ہے تم بھی دیکھ لو اور پھر فیصلہ کرکے مجھے بتا دینا۔" جس تیزی کے ساتھ انہوں نے اپنی بات مکمل کرکے خدا حافظ کہہ کر رابطہ منقطع کیا تھا وہ ایک پل کو ششدر کھڑی رہ گئی۔

"اگر شادی ہی کرنی ہوتی تو احتشام برا تھا کیا۔" وہ اپنی جگہ سخت ڈسٹرب ہوگئی تھی۔ اس آنے والی نئی مصیبت نے اسے پریشان کرڈالا تھا نجم الحسن کے حکم کو وہ ٹال نہیں سکتی تھی اس لیے ناچار اس نے قد آدم آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ نیلی جینز پر وائٹ کرتے میں ملبوس کھلے بالوں میں وہ قدرے بہتر لگ رہی تھی ہیر برش اٹھا کر اس نے زلفوں کو سنوارا اور نیچے کی طرف چل دی۔

"جیسا سنا تھا آپ بالکل ویسی ہی ہیں۔" خوشامدانہ انداز اور بھونڈے تعریفی لہجے نے اس کے پارے کو مزید گرم کرڈالا۔

"اور افسوس جیسا میں نے آپ کے متعلق خیال کیا تھا آپ ہرگز ویسے نہیں ہیں۔" اسے نجم الحسن کی پسند پر خاصی مایوسی ہوئی تھی انہوں نے اس کے لیے ایک عیار و مکار قسم کا سیٹھ پسند کیا تھا جس کی آنکھوں سے ٹپکتی دولت اور حسن کی ہوس عیاں تھی۔

"اچھا ایسا کیا سوچا تھا۔" اس کی آنکھیں خوشی سے جگمگانے لگیں۔

"اسے چھوڑیں یہ بتائیں کافی لیں گے یا پھر ٹھنڈا منگاؤں۔" اس نے بیٹھتے ہوئے موضوع چینج کیا۔

"کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم باہر جاکر کہیں سکون سے بیٹھ کر پئیں۔" ارمان خورشید نظروں ہی نظروں میں اسے جذب کرتے ہوئے جیسے اپنی خوشی بتا رہے تھے۔

"پھر مجھے ڈریس چینج کرنا ہوگا کیا آپ ویٹ کرسکیں گے۔" اس نے متذبذب ہوکر کہا۔

"وائے ناٹ۔" وہ سرخوشی کی کیفیت میں مسکرایا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی محض اس لیے کہ نجم الحسن نے اسے بھیجا تھا اور وہ انہیں اور ان کی بات کو بے حد عزیز و مقدم رکھتی تھی۔

✷ —— ✷ —— ✷

وہ بلاشبہ اقصیٰ ہی تھی جو اس شخص کے ہمراہ

آئس کریم پارلر میں موجود تھی اس کے حسین چہرے پر بکھری مسکراہٹ اور پھر اس اجنبی شخص کا ساتھ حکم یار جیسے ایک لمحے کو دہکتے کوئلوں پر جا بیٹھا۔ ”وہ کون تھا اور اس وقت وہ اس کے ہمراہ کیوں تھی؟“ اس کے اندر اٹھتے متعدد سوالوں نے اسے لمحہ بھر کو چکرا ڈالا تھا۔ اس کا جی چاہا اسے جھنجوڑ کر وہ اس شخص سے اس کے تعلق کی نوعیت پوچھے یا پھر اس کا مسکراتا چہرہ تھپڑوں سے سرخ کر ڈالے اسے نارسائی و ناآسودگی بخش کر وہ کیسے مزے اور سکون سے تھی اس کا وہ سکون اور چین لمحہ بھر میں ملیامیٹ کر ڈالے جتنی اذیت اسے پہنچی تھی اس سے کہیں زیادہ اذیت و تکلیف میں اسے مبتلا کر دے مگر وہ ایسا کچھ نہ کر سکا سلگتی نظروں سے اسے اور اس کے ہمراہی شخص کو گھورتا رہا یہاں تک علی یار آ پہنچا اس کے ہاتھ میں اپنا پسندیدہ فلیور تھا اور چونکہ وہ پیک کروا کر لایا تھا اس لیے رکنے کا کوئی بہانہ بھی نہیں تھا اور نہ ہی وہ اپنے چھوٹے بھائی سے مزید رکنے کا اصرار کر سکتا تھا کیونکہ وہ اس کا بھائی تھا کم عمر اور نادان زوار جیسا ہم عمر دوست نہیں جس سے حال دل کہہ کر وہ اپنے اندر لگی آگ کو ٹھنڈا کر سکتا۔

”لالہ! آج شام آپ ہمارے ساتھ سی ویو چلیں گے نا۔“ وہ اپنی خواہش بتا کر اسے اس کا وعدہ یاد دلا رہا تھا ان کے بیٹھتے ہی اللہ یار نے گاڑی اسٹارٹ کر ڈالی تھی۔

”نہیں علی، ابھی مجھے بہت ضروری کام کے سلسلے میں زوار کی طرف جانا ہے تم نور محمد (گارڈ) کے ہمراہ چلے جانا۔“ اس نے سوچ لیا تھا کہ آئندہ اسے کیا کرنا یا کون سا قدم اٹھانا ہے۔

”لالہ! آپ ہمیشہ بزی رہتے ہیں پھر آپ نے وعدہ بھی کیا تھا۔“ وہ بسورا۔

”آپ ہمارے ساتھ جا کر کیا کریں گے کئی بار پہلے بھی آپ وہ جگہ دیکھ چکے ہیں۔“ حکم یار کو اس کا دل توڑنا اچھا نہیں لگا اس لیے اسے نرمی سے سمجھاتے ہوئے بولا۔

”آپ کے ساتھ جانے کا مزہ ہی کچھ اور ہے ہم وہاں سیر کریں گے اور شام کا ڈنر کرتے ہوئے لوٹیں گے۔“ وہ ایکسائیٹڈ ہوا۔

”پھر بہتر ہے کل کا پروگرام رکھ لو کیونکہ مجھے آج فرصت نہیں۔“ اس نے قطعیت سے کہا تو وہ چپ ہو کر باہر گزرتے منظر دیکھنے لگا جب کہ اس کی اپنی آنکھوں میں تو ایک وہی منظر ٹھہر گیا تھا۔

”اقشیہ اور اس شخص کا آمنے سامنے بیٹھے ہوئے گفتگو کرنا۔“ اس نے اپنی سرخ ہوتی آنکھوں پر تاریک گلاسز چڑھائے تھے۔

”یہ ہوئی نا شہزادے مردوں والی بات۔“ زوار اس کی بات سن کر اچھل کر سیدھا ہو بیٹھا۔ کہاں تو وہ اس کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرنے کو قطعی تیار نہ تھا اور اب از خود آ کر اس نے اپنی خواہش کا اظہار کر کے اسے حیران کر ڈالا تھا۔

”کہیں بھالی نے کچھ زیادہ ہرٹ تو نہیں کر دیا۔“ اس نے اس کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی کو دیکھتے ہوئے سوچا اور بولا۔ ”پھر او کے ہے نا میں اپنے بندوں سے کہلوں کبھی کل تم آ کر منع کرو۔“ اس نے حتمی فیصلے سے پہلے ایک بار پھر اسے غور کرنے کو کہا۔

”اب میرا فیصلہ تبدیل نہیں ہو سکتا نو۔ تیور۔“ وہ جیسے رائفل پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سختی سے اپنے آپ کو سمجھانے کے لیے زور سے گویا ہوا تو اندر لپکتے خدشات و واہمے سے ڈرتا دل سہم سا گیا۔

”اسے پہنچانا کہاں ہوگا۔“ زوار کو جیسے یاد آیا۔

”میرے وائٹ ہاؤس میں۔“ وہ ہنوز سنجیدگی سے گویا ہوا تو وہ سر ہلاتے ہوئے موبائل نمبر ملانے لگا۔

”اگر میں نے تمہیں اپنے آگے نہیں جھکا دیا تو میرا نام حکم یار نہیں۔“ وہ بڑے غصے سے سوچ رہا تھا۔ وہ اسے بہت مختلف و منفرد خیال کرتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ اس کے ہتک آمیز رویے اور لفظوں پر بھی ہرٹ بھی نہیں ہوا تھا مگر آج اسے کسی اور اجنبی شخص کے ہمراہ یوں سر عام کھلکھلاتے دیکھ کر وہ بری طرح ہرٹ ہوا تھا کہ آخر اس شخص میں ایسی کیا بات تھی جو اس میں نہیں تھی یا پھر اس شخص کی کس خوبی سے متاثر ہو کر اس نے اس کا انتخاب کیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ غم و غصے میں اس نے وہ رستہ اختیار کیا تھا جس سے پہلے کنارہ کشی کر چکا تھا۔

”دو تین روز میں تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا۔“ زوار موبائل بند کر کے مسکراتے ہوئے بولا تو اس کے اندر لگی آگ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے سے پڑ گئے۔ وہ خمار آلود نظروں سے ٹی وی اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔

جب کہ دوسری طرف اقشیہ اس کے جاتے ہی دوبارہ بیزارگی و اجنبیت کی ردا اوڑھ بیٹھی تھی اس نے پارلر میں داخل ہوتے حکم یار اور نو عمر لڑکے کو اچانک ہی دیکھا تھا اور اسے پورا یقین تھا کہ حکم اس کی موجودگی سے غافل نہیں ہو سکتا۔ اس شخص نے اسے بے حد خوار اور ہر قدم پر عاجز کیا تھا یہ وہ شخص تھا جس سے اسے شدید قسم کی نفرت محسوس ہوتی تھی جس کا تصور اور خیال ہی اسے کڑواہٹ میں مبتلا کر دیتا تھا اسے دیکھتے ہی اندر سلگتی آگ بھڑک اٹھتی تھی نارسائیوں، محرومیوں اور آزردگیوں کا احساس سوا ہو جاتا تھا وہ اسے کیونکر مطمئن و سکون سے دیکھ سکتی تھی وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اسے یوں کسی کے ہمراہ بیٹھے دیکھنا اسے گوارا نہ ہوگا اور اس کی ایک مسکراہٹ تو اسے اذیتوں اور نارسائیوں کے عمیق سمندر میں دھکیل دے گی اور وہ اسے اس طرح جلتے، سلگتے ہوئے دیکھنا چاہتی تھی اس لیے پہلی بار بڑے سکون سے مسکرائی تھی اور اس کی مسکراہٹ پر ارمان خورشید کی باچھیں کھل گئیں تھیں۔

”آپ جتنی خوبصورت ہیں اس سے زیادہ حسین آپ کی مسکراہٹ ہے۔“ اسے ریشہ خطمی ہوتے دیکھ کر وہ بھن کر رہ گئی مگر جبراً مسکراہٹ طاری رکھتے ہوئے نرمی سے بولی۔

”آپ کا حسن نظر ہے۔“

”جی ہمارا حسن نظر کیا ہوتا ہے خدا قسم آپ اتنی حسین ہیں کہ آپ کو پا لینے کے خیال سے میرے ہوش اڑے جا رہے ہیں۔“ اس کے غرق ہونے میں چند ہی لمحے باقی تھے اور ان لفظوں پر اس کا بے اختیار جی چاہا تھا کہ ساری آئس کریم اس کے مکروہ چہرے پر دے مارے مگر وہ ضبط کی تصویر بنی با ہر دائیں بائیں دیکھ رہی تھی مگر اس کی نگاہ کا مرکز تو حکم یار تھا جو اس خوبصورت نو عمر لڑکے کے ہمراہ بغیر کسی ری ایکشن کے واپس ہو رہا تھا اور اس کے جاتے ہی وہ پہلے روپ میں آ گئی اور وہ پریشان ہو اٹھا۔

”آپ میرا کافی وقت لے چکے ہیں اور اس مختصر ملاقات سے ہی میں نے اندازہ لگایا ہے کہ.....“ اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتی وہ شوخی سے گویا ہوا۔

”یہی کہ ہم ایک دوسرے کے لیے بہترین جیون ساتھی ثابت ہو سکتے ہیں۔“

”جی نہیں بلکہ ہم ایک دوسرے کے لیے قطعی نامناسب ہیں۔“ وہ سرد مہری سے اس کے اڑتے رنگ کو دیکھ کر بولی تھی۔

”مگر کیوں مجھ میں کیا برائی ہے؟“ وہ ہکلاتے ہوئے پوچھ بیٹھا تھا۔

”کیا یہ کافی نہیں کہ آپ مجھے ناپسند ہیں۔“ وہ اٹھتے ہوئے بے حد سکون سے کہہ رہی تھی۔

”آپ زیادتی کر رہی ہیں آپ جانتی ہیں ناں کہ آپ کے انکل کا بزنس میرے والد کے شیئرز کے بغیر کچھ نہیں ہے آپ کا اس سلسلے میں انکار انہیں بہت مہنگا پڑے گا۔“ وہ اس کے قطعی لہجے پر وارننگ دیتے ہوئے بولا۔

”نو پرابلم، میرے پاس اتنی رقم ہے کہ اس نقصان کا ازالہ کر سکوں۔ دوسرے اچھا ہوا آپ کی کاروباری ذہنیت سے میرے انکل واقف نہ تھے ورنہ مجھ سے پہلے ہی وہ اس رشتے سے انکار کر چکے ہوتے۔ وہ کبھی بھی اپنے کاروباری مفاد کو مجھ پر ترجیح نہیں دے سکتے میں اچھی طرح جانتی ہوں۔“ وہ طنز سے مسکراتی اسے ہکا بکا چھوڑ کر وہاں سے نکل آئی۔

✻ ...... ✻ ...... ✻

”اور بھئی شیطان کی خالہ منگنی مبارک ہو آپ کو۔ وہ کیسے ہیں؟“ افراز نے اسے چھیڑا۔

"آپ سے کافی اچھے ہیں۔" وہ کھلکھلائی۔

"خیر مجھ سے اچھے تو ہو ہی نہیں سکتے فوجی بندے کی پرسنالٹی بڑی شاندار ہوتی ہے۔" وہ ہنوز مذاق کے موڈ میں تھا۔

"خوش فہمیاں' یہ سنائیں کراچی آنے کا کب تک پروگرام ہے؟" اس نے موضوع چینج کیا۔

"کراچی نہیں بلکہ لاہور آنے کا ہے تم لوگ چکر لگاؤ تا ملاقات بھی ہو جائے گی اور تمہاری پیاری سی باجی کہاں ہیں؟" وہ اصل بات پر آیا۔

"وہ تو اپنی فرینڈ نہیا وقار کے ساتھ مصروف گفتگو ہیں اوپر اپنے کمرے میں۔" اس نے ہری جھنڈی دکھائی۔

"میری اچھی سی پیاری سی مستقبل قریب میں ہونے والی سالی صاحبہ ذرا اپنے قدموں کو زحمت دیں اور صبا کو میرے فون کی اطلاع پہنچائیں اور نانی کی پہنچ سے اس خبر کو دور رکھیں۔" اس کے شرارتی انداز پر وہ ہنستی ہوئی او کے کہہ کر اس کے کمرے کی طرف دوڑی تھی دوپہر کے وقت سبھی استراحت فرما رہے تھے سوائے صبا اور اس کے کیونکہ وہ عموماً" دوپہر کے وقت سونا پسند نہیں کرتی تھی جب کہ صبا اپنی فرینڈ کے آنے پر جاگ رہی تھی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انشیہ اپنے کسی ملنے والے دوست کو بلوائے اور مجھے نہ بتائے تمہیں مزید دھوکا ہوا ہے وہ انشیہ نہیں ہو گی۔" صبا ہنوز اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی۔

"میں اتنی احمق بھی نہیں ہوں کہ انشیہ کو نہیں پہچانوں گی وہ ہنڈرڈ پرسنٹ انشیہ ہی تھی جو شیبا کی منگنی پارٹی کی رات اس شخص سے سیڑھیوں پر کھڑی گفتگو کر رہی تھی حتیٰ کہ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے دوسری طرف لے گئی تھی اور بعد میں تم لوگ اسے ڈھونڈ رہے تھے۔" نہیا اپنی بات سے ایک انچ پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھی۔

"تم نے اسی رات یہ سب کیوں نہیں بتایا؟" وہ الجھتے ہوئے بولی۔

"مجھے منگنی کے ہنگاموں اور رونقوں میں یاد ہی نہیں رہا دوسرے میں یہی سمجھی تھی کہ تمہیں از خود معلوم ہو گا کہ وہ شاندار وجاہت رکھنے والا ویل ڈریس مین کون تھا آج یاد آیا ہے تو میں تم سے پوچھ رہی ہو اور تم لاعلمی کا اظہار کر رہی ہو۔" نہیا کے پریقین لہجے نے اسے بری طرح الجھا ڈالا تھا اگر وہ واقعی انشیہ کا کوئی دوست یا پھر ان دونوں کے درمیان واقعی کوئی قریبی تعلق تھا تو پھر نہ بتانے میں ایسا کیا اسرار پوشیدہ تھا کہ انشیہ نے ذکر تک نہیں کیا۔ اسے انشیہ کا چہرہ یاد آنے لگا جب وہ واپس آئی تو کیسا رنگ اڑا اڑا سا تھا۔ اگر ان دونوں کے درمیان کوئی تعلق تھا بھی تو پھر انشیہ نے یہ سب کچھ چھپایا کیوں اگر وہ واقعی کسی میں انٹرسٹڈ ہے تو اظہار کیوں نہیں کرتی پاپا کبھی اس کے راستے کی دیوار نہیں بنیں گے وہ تو اسے ہم سب سے زیادہ چاہتے ہیں پھر انشیہ اپنا امیج کیوں خراب کیے دے رہی ہے اب نہیا اس کی بابت بتا رہی ہے کیا یہ افسوس کی بات نہیں ہے کہ اس نے ہمیں اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ اپنا ہم راز بنائی اسے حقیقتاً" افسوس ہو رہا تھا تبھی شیبا نے افراز کے فون کی اطلاع دی تو وہ اسے نہیا کے پاس چھوڑتی نیچے لاؤنج میں چلی آئی۔

"السلام علیکم کیسے ہو؟ اور کیسے یاد کیا؟ اس کی خوشی لہجے سے ہویدا تھی۔

"والسلام ٹھیک ہوں اور تمہیں تو یاد کرتا ہی رہتا ہوں کوئی نئی بات پوچھیں۔" وہ ہنسا۔

"تم بھی چھٹی لے کر آجاتے منگنی میں بہت مزا آیا تھا اور اس دن میں نے تمہیں بہت مس کیا تھا۔" صبا نے سرخوشی کے عالم میں اعتراف کیا۔

"تمہارا یہ خوبصورت اعتراف سن کر مر جانے کو جی چاہتا ہے۔" وہ شرارت سے گویا ہوا۔

"بکواس مت کرو۔" وہ دہل کر بولی تبھی انشیہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی وہ یونیورسٹی سے

ابھی لوٹی تھی۔

"افراز اب انشیہ سے بات کرو اور خط ضرور لکھنا۔" اس نے کہتے ہوئے ریسیور اس کی طرف بڑھا دیا۔

"ہاں بھئی افراز کیسے ہو؟" اس نے بیٹھتے ہوئے کسلمندی سے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک ٹھاک آپ سنائیں سب فارغ ہو رہے ہیں آپ کا کیا ارادہ ہے۔" اس نے شریر لہجے میں پوچھا تھا۔

"ارادے نیک ہی ہیں تم ڈھونڈو اپنے آرمی آفیسرز میں کسی کو میرے لیے۔" وہ اس کی مذاق کی عادت سے اچھی طرح واقف تھی اس لیے از خود بھی اسی لہجے میں جواب دے رہی تھی۔

"سوچ لیں جسے میں پسند کروں گا پھر اسے آپ کو قبول کرنا ہو گا۔" اس نے شوخی سے کہا۔

"سر تسلیم خم ہے جناب مگر اپنی پسند کا حق میں نے محفوظ کر رکھا ہے اگر وہ بالکل تمہاری کاپی ہوا تو سوچا جا سکتا ہے۔" وہ بھی شرارت سے بولی۔

"لیکن صبا کی طرح میں اپنا جڑواں بھائی کہاں سے لاؤں اس کے لیے تو والدہ صاحبہ سے کہنا پڑے گا۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"بہت بے ہودہ ہو تم۔" وہ بھی بے اختیار ہنسنے لگی۔

"آپ کی کھنکتی ہنسی کے جلترنگ سن کر سوچ رہا ہوں کہ آپ بھی بری نہیں تھیں۔"

"کہوں صبا سے آپ کے ہونے والے بقول نانی کے ڈورے ڈال رہے ہیں۔" وہ شریر لہجے میں بولی۔

"سچ مجھے ڈورے ڈالنے نہیں آتے ورگرنہ ہر سال نانی مجھے ہی یہ سعادت بخشتی کہ ان کے لحافوں میں ڈالوں۔" وہ ہنوز غیر سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"تم پکے شیطان ہو حالانکہ شیبا کو کہتے ہو او کے پھر بات ہو گی ابھی مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے ورگرنہ میں مزید کرتی اور تم عاجز آکر ریسیور

مہکتی کلیاں

☆ محنت وہ سنہری ملکہ ہے جس کے ذریعے سے ہم ہر شے جو ہمارے لیے ضروری ہو حاصل ہو سکتی ہے۔

☆ وقت کے چھوٹے چھوٹے لمحے سونے کے قیمتی ذرے ہیں انہیں بے کاری کے کھنڈرات میں بکھیر کر ضائع مت کرو۔

☆ جو پھولوں کی سیج جب لیٹا کرے بڑا ہو کر کانٹے سمیٹا کرے۔

☆ اگر تم کام کرنا نہیں جانتے تو کھانے کو کیوں مانگتے ہو۔

☆ کامیابی کا زینہ بہت سی ناکامیوں کی سیڑھیوں سے بنا ہوا ہے۔

☆ پیشہ انسان کو ذلیل نہیں کرتا انسان پیشے کو ذلیل کرتا ہے۔

پونم مغل' تمیاری

جنسی صحت کی طبی' نفسیاتی اور اسلامی معلومات پر مبنی کتاب

نوجوانوں کے خصوصی مسائل

شادی سے پہلے...... شادی کے بعد

طبع سوئم۔ (انگریزی الفاظ کے اضافے کے ساتھ)

کتب فروشوں کے لئے خصوصی رعائت

مصنف:۔ مشہور ماہر نفسیات

ڈاکٹر سید مبین اختر

ایم بی بی ایس' رکن ادارہ برائے نفسیاتی' اعصابی امراض (امریکا)

ناشر و تقسیم کنندہ:۔

کراچی نفسیاتی ہسپتال

ناظم آباد نمبر 3 کراچی: فون 6612187

کتاب کی قیمت 250 روپے

رکھتے۔‘‘ اس نے مسکراتے ہوئے ریسیور صبا کی طرف بڑھایا تھا جو کچھ دیر پہلے نیہا کے لفظوں سے مکدر ہو کر اس کے متعلق غلط سوچ رہی تھی مگر اب اس کے چہرے پر پھیلی پاکیزگی و معصومیت کو دیکھ کر وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہو رہی تھی اور اپنے غلط رویے پر اپنے اوپر لعنت ملامت کر رہی تھی۔

’’اور تم اقصیٰ سے کیا کہہ رہے تھے؟‘‘ اس نے مصنوعی خفگی کا اظہار کیا۔

’’یہی کہ اب زیادہ دن نہیں ہیں میں بہت جلد صبا کو دلہن بنا کر لے جاؤں گا ہمیشہ کے لیے۔‘‘ وہ شوخ ہوا تو وہ دھڑکنوں کے شور کے درمیان گہری مسکراہٹ کے ساتھ ریسیور کو گھور کر رہ گئی۔

٭ ـــــ ٭ ـــــ ٭

’’آنٹی یہ بک ڈیڑھ سو کی ہے۔‘‘ کاؤنٹر پر کھڑے اس نوجوان نے شرارت سے شیبا کے تندرست وجود کو دیکھتے ہوئے کہا۔

’’اچھا منے پھر یہ دونوں پیک کردو۔‘‘ وہ انتہائی سنجیدگی سے گویا ہوئی تو صبا کھلکھلائی شیبا مزے سے اس نوجوان کو دیکھنے لگی جو اس کے جواب پر کھسیا کر بکس پیک کر رہا تھا۔

’’ویسے آپ کا ذوق بہت اچھا ہے۔‘‘ اس نے پے منٹ کرتے ہوئے کہا۔

’’تصحیح کر لیجیے یہ میری نہیں بلکہ میری سسٹر کی ہیں دوسرے بچے کب سے یہ کلام پڑھنے لگے۔‘‘ اس نے فیض اور غالب کا کلام اٹھاتے ہوئے شریر لہجے میں کہا تو وہ سٹپٹا گیا صبا اس کو بازو سے کھینچتی ہوئی گاڑی کی طرف لائی۔ ’’ہاتھ دھو کر ہر ایک کے پیچھے مت پڑ جایا کرو۔‘‘ ان کے بیٹھتے ہی اقصیٰ نے گاڑی اسٹارٹ کر ڈالی وہ پہلے ہی ان کا انتظار کر کے خاصی خوار ہو چکی تھی۔

’’خود ہی دیکھ لو مجھ سے دس سال بڑا ہو گا اور منا بن رہا تھا۔ خوامخواہ عورتیں عمر کے سلسلے میں بدنام ہیں ورنہ یہ مرد حضرات بھی کچھ کم نہیں۔‘‘ اس نے منہ بنا کر سر جھٹکا۔

’’وہ صرف تمہیں چھیڑ رہا تھا خفا تم ہو گئیں تھیں۔‘‘ صبا کو اس کی جلد بازی پر بہت ہی خار آیا کرتا تھا۔

’’کیوں میں اس کی چاچی، مامی لگتی ہوں بلاوجہ میں فری ہوا جا رہا تھا۔‘‘ اس نے ناک سکیڑی۔

’’خیر چاچی، مامی تو تم راجو اور ماجی کی لگو گی۔‘‘ اس نے احتشام کے حوالے سے اسے چھیڑا۔

’’ان کا تو بھئی حق ہو گا۔‘‘ اس نے آنکھیں چلائیں۔

’’آہم۔‘‘ صبا کھنکھاری۔ ’’دیکھ لو اقصیٰ اپنی چھوٹی بہت بڑی ہوتی جا رہی ہے۔‘‘

’’میں نے سوچا اقصیٰ تو اس لائن کی طرف آنے کا کوئی ارادہ ہی نہیں رکھتی تو پھر کیوں نہ میں اپنا بندوبست کر لوں مگر یہ الگ بات ہے کہ میرے عملی قدم اٹھانے سے پہلے ہی احتشام صاحب نے پھرتی دکھا دی ویسے آپس کی بات ہے اگر تم مائنڈ نہ کرو۔‘‘ اس نے اقصیٰ کی سیٹ سے لگتے ہوئے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

’’کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تمہاری زندگی میں ابھی تک کوئی آیا ہی نہ ہو۔‘‘ اقصیٰ کو ونڈ اسکرین کے پار حکم یار کا مسکراتا روشن چہرہ دکھائی دینے لگا اور سماعت میں بھولے بسرے گزرے وقت کی سرگوشیاں گونجنے لگیں۔ ’’کبھی ان پیاسی آنکھوں میں بھی جھانک کر دیکھو جہاں تم ہی تم بسی ہو۔‘‘ اس نے سختی سے ہونٹ بھینچے تھے اور بے اختیار سامنے سے آتی کار کو دیکھ کر اس کا پیر بریک پر جا ٹھہرا اگر وہ بروقت نہ سنبھلتی تو یقیناً حادثے کا شکار ہو جاتی صبا اور شیبا کی چیخیں نکل گئیں جب کہ اقصیٰ کا چہرہ پسینے میں ڈوب چلا تھا۔

’’تم... تم ٹھیک ہو نا۔‘‘ صبا نے لرزتے ہاتھ سے اس کا شانہ تھاما تھا۔

’’گاڑی چلانی آتی نہیں ہے سڑکوں پر کیسے نکل کھڑی ہوتی ہیں ابھی میری گاڑی پر ڈینٹ پڑ جاتا تو...؟‘‘ وہ شخص خاصا اکھڑ مزاج اور بدلحاظ معلوم ہوتا تھا۔

’’کتنے بدتمیز اور بدلحاظ ہیں آپ صرف اپنی گاڑی کی فکر ہے انسانی جان تلف ہو جاتی اس کا کوئی احساس نہیں۔‘‘ خاصا مجمع ہو جانے کے باعث صبا جیسے پھٹ پڑی تھی۔

’’تو بی بی اس وقت گھر سے نکلا کرو جب گاڑی چلانی آتی ہو باہر نکل کر تجربات کرو گی تو حادثہ تو ہو گا ہی۔‘‘ وہاں کھڑے دوسرے شخص نے قدرے ناگواری سے ان کی آزادی پر طنز کیا تھا اقصیٰ جو اس وقت تک سنبھل چکی تھی اس نے گاڑی اسٹارٹ کی تو مجمع چھٹنے لگا اس نے ایکسیلیٹر کو دبا کر تیزی کے ساتھ انہیں پیچھے ہی چھوڑتی گھر کے روٹ پر گاڑی ڈال دی۔

’’کہاں رہ گئیں تھیں تم لوگ۔‘‘ امی اندر پریشان تھیں وہ لان میں ہی ٹہلتی مل گئیں۔

’’بس امی کچھ چیزیں لینے میں دیر ہو گئی۔‘‘ شیبا نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے اندر کی طرف رخ کیا اس نے بچ جانے پر جو نفل مانے تھے ابھی وہ بھی ادا کرنے تھے اس حادثے کا انہوں نے کسی سے ذکر نہیں کیا۔ رات میں ٹیرس پر ٹہلتے ہوئے صبا نے اقصیٰ سے کہا۔

’’مجھے حیرت ہے تم کس خیال میں ڈوبی ہوئیں تھیں کہ ایسی خطرناک غلطی کر بیٹھیں۔‘‘

’’یہ غلطی ہمیں فرشتوں کا دیدار بھی کروا سکتی تھی ویسے بھی ابھی میں نے دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے۔‘‘ شیبا نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

’’جب بھی بولو گی فضول ہی۔‘‘ صبا نے اسے اپنے شانے پر سوار ہوتے دیکھ کر پرے دھکیلا۔

’’بس یار غلطی ہو گئی ورنہ میری تو خیر ہے تم ناحق ماری جاتیں۔‘‘ اس نے متاسفانہ انداز میں سر ہلایا۔

’’بکواس نہیں کرو زندگی اتنی بھی بے وقعت اور غیر اہم شے نہیں اور پھر تمہیں نہ سہی ہمیں تمہاری ضرورت بہرحال ہے۔‘‘ صبا نے محبت سے کہا۔

’’یہ کس کی شادی ہو رہی ہے۔‘‘ اس نے سامنے لائن کے آخری میں بنے گھر کو لائٹس سے جگمگاتے دیکھ کر سوچا۔

’’نادیہ اور اس کے بڑے بھائی کی۔ پچھلے سال شازیہ (بڑی بہن) کی ہوئی تھی اس سال ان دونوں کو نمٹا رہے ہیں۔‘‘ صبا چونکہ نادیہ کی فرینڈ تھی اس لیے بخوبی واقف تھی۔

’’ایک ہم ہیں یہاں کسی کا نمبر ہی نہیں آرہا۔‘‘ شیبا نے سرد آہ بھری۔

’’کتنا شوق ہے تمہیں۔‘‘ صبا نے دانت کچکچائے۔

’’افراز بھائی کو مزید دو سال لگنے ہیں۔ اقصیٰ کا سرے سے پروگرام ہی نہیں کیونکہ وہ بندہ ہی وجود میں نہیں آیا ہے جسے یہ سلیکٹ کر سکیں۔ اب واحد میں ہی بچی ہوں اگر میں بھی اپنا شوق فنا کر لوں تو بے چاری نانی تو حسرت میں ہی رہ جائیں کہ ان کی کسی نواسی کی شادی ہو گی بھی یا وہ کنواری ہی گل جائیں گی۔‘‘ جب وہ بولنے پر آتی تھی تو یونہی اول فول بولتی چلی جاتی تھی اس وقت بھی اقصیٰ اس کی لایعنی باتوں سے قطع نظر ارمان خورشید کے مسئلے پر الجھی ہوئی تھی جب کہ صبا اسے خاصی کینہ توز نظروں سے گھور رہی تھی۔

٭ ـــــ ٭ ـــــ ٭

’’اوہ گاڈ۔ اتنا خون بہہ رہا ہے اور تم یونہی بیٹھی ہو۔‘‘ حکم کو آج دیکھ کر زرگل اپنی جگہ پھرکی ہو گئی تھی اس کی اچانک آمد اسے یونہی ہراساں و پریشان کر دیا کرتی تھی۔

’’وہ... وہ یہ کانچ اٹھا رہی تھی۔‘‘ حکم نے اپنا رومال اس کے ہاتھ پر لپیٹا تو وہ بے اختیار کہہ اٹھی۔

’’یہ تمہارے کام نہیں ہیں اگر گلاس ٹوٹ گیا تھا تو خیراں (ملازمہ) سے کہا ہوتا۔‘‘ وہ اس کا ہاتھ تھامے ہوئے نرمی سے بولا ان کے درمیان بے حد کم فاصلہ تھا۔ اس کے وجود سے پھوٹتی سحر انگیز خوشبو اس کے حواس اڑائے دے رہی تھی۔ اس کے مضبوط ہاتھوں کا لمس اسے اپنے نازک ہاتھ پر انگارے کی مانند محسوس ہو رہا تھا۔ حکم نے خیراں کو بلا کر بینڈیج کا سامان منگوایا اور اسے صوفے پر بیٹھنے کو کہا تو وہ سست قدموں سے اندر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ لوگ گزشتہ دو روز سے شہر آئے ہوئے تھے شہناز بیگم (والدہ) کو کچھ

شاپنگ کرنی تھی زر گل کے لیے چند جوڑے اور اسے از خود کتابیں خریدنی تھیں جب کہ زر تاج بیگم اس سے ملنے چلی آئیں تھیں کہ اس بہانے وہ نظروں کے سامنے تو ہو گا۔

"تکلیف تو نہیں ہو رہی۔" حکم نے زخم شدہ حصے کو پھاہے سے صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

"اب نہیں ہو رہی۔" وہ سرگوشی کی کیفیت میں بڑبڑائی تھی۔

"ہوں۔ کیا کہا تم نے؟ وہ ہنکارا بھر کر بولا اس کی پرتپش نظروں پر اس کے گال دہک اٹھے اس نے بے اختیار ہی ہاتھ چھڑانے کی سعی کی مگر حکم کی مضبوط گرفت نے اس کی ساری کوششیں رائیگاں کر ڈالیں۔

"ابھی بینڈیج کہاں ہوئی ہے جو تم بھاگ رہی ہو۔" وہ حیرانگی سے بولا تو وہ اپنی عرق آلود پیشانی اضطراری کیفیت میں دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے رگڑنے لگی اب وہ اس پر اپنے پوشیدہ جذبات کیا عیاں کرتی کہ اس کے دیکھ لینے کے خیال سے وہ کتنا کنفیوزڈ ہوتی تھی کجا اتنی قربت تو خیال و تصور میں کبھی نہیں سوچی تھی وہ احمریں لبوں کو دانتوں تلے دباتے الجھتی گرتی پلکوں کے سائے میں اسے تک رہی تھی۔

"حویلی کب تک جانے کا پروگرام ہے۔" اسے بہت سے نامکمل شدہ کام کرنے تھے اور ان لوگوں کی موجودگی میں وہ ممکن نہ تھے۔

"آج شام کیا آپ ہمارے ساتھ چلیں گے۔" زر گل نے بے ساختہ پوچھا۔

"نہیں مجھے یہاں بہت سے کام نمٹانے ہیں۔" اس نے فارغ ہو کر اٹھتے ہوئے کہا۔

"ذرا ایک کپ چائے میرے کمرے میں بھجواؤ جلدی سے۔" اس نے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے مڑ کر کہا تو زر گل جو اس کی پشت گھور رہی تھی نظریں جھکا کر بے اختیار اثبات میں سر ہلانے لگی اس کے دیکھ لینے کے خیال سے اس کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا جب وہ کچن میں پہنچی تو ارادہ یہی تھا کہ فضل محمد سے کہہ کر بنوا لے گی مگر پھر دل کے ہاتھوں بے اختیار ہو کر اس نے حکم کے لیے چائے تیار کی اور پھر کپ لے کر اس کے کمرے کی طرف چل دی۔ اس کے ناک کرنے پر حکم کی بھاری آواز آئی۔ "لیس کم ان۔" وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اندر داخل ہوئی تو وہ کارپٹ پر فلور کشن کے سہارے دراز تھا دائیں ہاتھ میں سلگتا جلتا سگریٹ تھامے بائیں ہاتھ سے بالوں کو سنوارتا وہ مدہم سروں اور دھیمی آواز میں گانے سن رہا تھا۔ پردے گرے ہونے کے باعث کمرے کا ماحول دوپہر کے وقت شام جیسا ہو رہا تھا۔ وہ چند لمحوں کے لیے ہق دق رہ گئی۔

"ارے تم۔" اس نے زر گل کو کپ تھامے دیکھ کر جلدی سے جلتا سگریٹ ایش ٹرے میں مسلا اور پلٹ کر قدرے تیکھے لہجے میں بولا۔ "فضل محمد، خیراں اور رحیم الدین کہاں ہیں جو تم کام کر رہی ہو۔" وہ سمجھ نہ سکی اسے غصہ اس کے چائے لانے پر آرہا تھا یا پھر اس کے یوں اچانک بغیر اطلاع کے کمرے میں آجانے پر وہ خاموشی سے سا سر اسے تھما کر دروازہ اپنے پیچھے بند کرتی باہر نکل آئی پھر ریلنگ سے لگ کر اس نے ٹھنڈے ہاتھوں سے چہرہ تھام لیا اور ہنس دی اس کے ہاتھ سے ابھی تک اس کے لمس کی خوشبو آرہی تھی اور یہ مہکتا احساس اسے خوش کر رہا تھا۔

* ------ * ------ *

وہ چند لمحے خالی الذہنی سے چھت کو تکتی رہی پھر جیسے یاد آتے ہی جھٹکے سے اٹھ بیٹھی در و دیوار ہی مختلف نہ تھے بلکہ یقیناً" وہ کسی اجنبی انجانی جگہ پر استراحت فرما تھی اس نے وحشت بھری نظروں سے اس خوبصورت کمرے کو دیکھا جو قیمتی آرائشی چیزوں سے سجا کسی حسین خواب کی تعبیر لگ رہا تھا۔ "مگر وہ کون تھا اور اسے کس مقصد کے تحت اغواء کروایا گیا تھا۔" اس کے اندر سرد لہریں اٹھنے لگیں۔ خوف و دہشت نے اسے پوری طرح اپنے شکنجے میں جکڑ لیا تھا۔ آگے بڑھ کر اس نے پردوں کو ایک طرف کیا تو گرل سے باہر دونوں وقت گلے مل رہے تھے اس کی نگاہوں کے عین سامنے بڑا خوبصورت وسیع پھولوں سے آراستہ لان کا منظر تھا۔

وہ کس جگہ اور کن لوگوں کے درمیان تھی اسے کچھ خبر نہ تھی اسے اپنا ذہن ابھی تک غنودگی سے بوجھل اور تھکا تھکا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے ذہن پر زور ڈال کر یاد کرنے کی کوشش کی تو جیسے اسے یاد آنے لگا۔ بینک جا کر اس نے اپنی تمام جمع شدہ رقم نکال کر ماموں کو دے دی تھی تاکہ ارمان خورشید کے والد خورشید فیروز سے بزنس ختم کر لینے کی صورت میں انہیں جو نقصان ہوا اس کا ازالہ ہو سکے۔ نجم الحسن لینا نہیں چاہتے تھے مگر اقتیہ کی ضد کے آگے ان کی ایک نہ چلی تھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ ان کے ذہن پر کوئی بار کوئی بوجھ ہو جس کی وجہ سے وہ انکار کرتے ہوئے تذبذب کا شکار ہوں میں اپنے طور پر انہوں نے ارمان خورشید کے متعلق معلومات کرائیں تھیں اور اسے ہر صورت اچھا بزنس مین پایا تھا۔ مگر برا ہوا اس کی قسمت کا جس نے اس کا ساتھ نہ دیا اقتیہ نے نجم الحسن کے ہر سوال کے جواب میں یہی کہا تھا۔ "مجھے وہ شخص پسند نہیں باقی آپ جس کے ساتھ چاہیں گے مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر یہ شخص ہرگز نہیں۔" نجم الحسن نے اسے بہت قائل کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ اپنی بات سے ایک انچ پیچھے ہٹ کر نہ رہی۔ وہ تقریباً دو گھنٹے انکے آفس میں رہی تھی پھر وہاں سے اسے مارکیٹ جانا تھا رش کی وجہ سے وہ گاڑی لے کر نہیں گئی کہ ڈائریکٹ شاپنگ کر کے گھر کسی ٹیکسی کے ذریعے پہنچ جاؤں گی۔ وہ آفس سے باہر آ کر تھوڑی دور چلی کیونکہ وہاں سے اسٹاپ ذرا فاصلے پر تھا تبھی ایک کار اس کے برابر آ کر رکی حالانکہ یہی کار اس سے پہلے بھی وہ آفس سے نکلتے دیکھ چکی تھی مگر اپنے اطراف سے رہنے والی بے نیازی نے اسے اس وقت خاصا نقصان پہنچایا تھا جب اس کار کے رکتے ہی پچھلی سائیڈ کا دروازہ کھلا اور دو مضبوط ہاتھوں نے اسے کسی موم کی گڑیا کی طرح اندر کی طرف کھینچ لیا تھا اور اسے بولنے کا موقع دیئے بغیر کلوروفام کا رومال اس کی ناک پر رکھ دیا گیا اور وہ جو مزاحمت کر رہی تھی تھوڑی ہی دیر میں بے جان ہو کر سیٹ پر گر گئی اس نے آنکھیں مسل کر گھڑی چیک کی تقریباً" صبح کے گیارہ کا ٹائم تھا اس وقت اور اب سات بج رہے تھے سردیوں میں رات ویسے ہی جلدی ہو جایا کرتی ہے۔ "او میرے خدا نجانے میرے گھر نہ پہنچنے پر ان سب پر کیا بیتی ہو گی ماموں کتنے پریشان ہوں گے۔" اس کی آنکھوں کے آگے ماموں، ممانی، شیبا اور صبا کے پریشان متفکر چہرے گھوم گئے اس نے دروازہ چیک کرتے ہوئے اسے بری طرح دھڑ دھڑانا شروع کر دیا مگر یوں لگتا تھا جیسے یا تو وہاں کوئی ذی روح موجود ہی نہ تھا یا اگر موجود بھی تھا تو یقیناً" آلہ سماعت سے محروم تھا اس کوشش میں ناکام ہو کر وہ بیڈ پر آ کر مایوسی و تفکر سے سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ "تم پہلے میری محبت و چاہت تھیں مگر اب ضد ہو۔" اس کی سماعت میں حکم کے الفاظوں نے سرگوشی کی تھی اس کے لب آپس میں بھینچ گئے "تم اس قدر اور اس حد تک گر سکتے ہو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی اگر یہ میری ضد توڑنے کی تمہاری کوئی بھونڈی خواہش ہے تو پھر تمہاری یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔" وہ نفرت سے سوچتے ہوئے اس کے تصور سے گویا ہوئی اور اضطراری کیفیت میں بے قراری سے اٹھ کر ٹہلنے لگی تبھی دروازہ کھلا اقتیہ کے چلتے قدم رک گئے وہ بے اختیار پلٹی اور آنے والے نو وارد کو دیکھتے ہوئے تحیر و پریشانی سے گویا ہوئی۔

"کون ہو تم۔" وہ تو حکم یار کی منتظر تھی مگر اس کی آنکھوں نے جس چہرے کو دیکھا تھا وہ اس کے لیے قطعی اجنبی و بیگانہ تھا۔

"اری میری چاند۔ میری شہزادی! تو نے مجھے پہچانا نہیں۔" خوشامدی بازاری لہجے میں وہ اس کی بلائیں لینے لگیں۔ خاصے بال سفید تھے۔ جنہیں مہندی سے رنگ کرکے لال کیا گیا تھا۔ چہرے کے نقوش بتا رہے تھے کہ یہ عمارت اپنے دور میں بڑی حسین رہی ہوگی۔ ہونٹوں پر بکھری پان کی لالی پر وہ جیسے چونکی۔ اس نے زرد بنارسی ساڑھی میں لپٹے اس وجود کو توجہ سے دیکھا۔ ان کے سارے انداز و اطوار انہیں کسی دوسری دنیا کا فرد ظاہر کررہے تھے۔ اس دنیا کا جہاں کے گہرے تاریک و بیز اندھیروں سے اس کی ماں بڑی مشکل سے نکلی تھی اور اب وہ عورت اسے انہی اندھیروں کے حوالے کرنے آپہنچی تھی۔

"نہیں۔" وہ گہرے شاک کی سی کیفیت میں جیسے جھٹکے سے پیچھے ہوئی تھی۔

"آخر پہچان لیا نا! رانی نے ہمیں۔" وہ ایک ادا سے اس کے گال کو چھوتے ہوئے بولیں تو اس نے نفرت سے ان کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔ "آپ یقیناً نور جہاں بیگم ہیں۔" اس کے طنز بھرے نفرت انگیز لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ خوشی سے کھلتے ہوئے بولیں۔ "ہم تمہاری نانی ہیں' بڑی مشکلوں بعد تمہیں پایا ہے۔ نجم الحسن نے تو تسلیم کیے گئے وعدے کو ایسا نبھایا کہ تمہیں دوسرے شہر ہی لے آیا اور ہم عرصہ دراز وہیں بھٹکتے تمہیں کھوجتے رہے پھر سنا کہ یہاں کاروبار اچھا ہوتا ہے تو یہاں چلے آئے۔ وہ تو غفور کی تیز نظر نے نجم الحسن کو ڈھونڈ نکالا تب معلومات کرکے تم تک پہنچے ہیں اور تمہیں دیکھ کر تو کلیجے میں ٹھنڈ سی پڑ گئی ہے۔ حلیم سے بھی زیادہ حسین رنگ و روپ نکالا ہے تم نے۔" وہ حریصانہ نظروں سے اسے تکتے ہوئے بولیں۔

"مجھے یہاں لانے کی وجہ خاص۔" اس کو اچھی طرح معلوم تھا اب وہ اتنی آسانی سے ان کے چنگل سے نکلنے والی نہیں۔ اور وہ اسے اپنے مذموم مقاصد کے لیے لے کر آئی ہوں گی جس سے فیض اٹھانے کے عرصہ دراز سے خواب دیکھتی رہی ہوں گی۔

"بھئی تم میری نواسی ہو اور میں چاہتی ہوں جس کاروبار کو تمہاری ماں تباہ کرگئی تھی اسے اب تم آباد کرو۔" وہ مکارانہ مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئیں۔

"یہ قطعی ممکن نہیں ہے۔" اس نے زہریلے لہجے میں ہٹ دھرمی سے کہا۔

"بھئی دیکھو دنیا میں کوئی کام ناممکن نہیں ہے۔ ویسے بھی ہمارے کاروبار میں اب وہ طریقے اور رواج رہے نہیں۔ اگر تم ہمارے سکھائے گئے اسرار و رموز سیکھو گی تو ہمیں بھی خوشی ہوگی ورنہ تم جانتی ہو انکار کرنے کے سلسلے میں ہمارے اور بھی طریقے ہوتے ہیں سمجھانے کے۔" وہ دو ٹوک الفاظ میں سختی سے بولیں۔

"زیادہ سے زیادہ آپ لوگ میری زندگی ہی ختم کرسکتے ہیں۔ تو کردیں' مجھے خود بھی اس زندگی سے بیزارگی ہے۔ میں خود عاجز آچکی ہوں اس مسلسل بے مصرف جینے سے۔" وہ چیختے ہوئے نفرت سے بولی۔

"یہ جواہر ہے' یہ تمہیں اس دنیا کے اسرار و رموز سکھائے گی۔" انہوں نے جیسے اس کے لفظوں کا قطعی نوٹس نہیں لیا تھا۔ اور پھر مڑ کر اس حسین پرکشش خاتون سے گویا ہوئیں۔ "اور جواہر آج سے تمہیں اس لڑکی کو سکھانا ہے' سمجھانا ہے' یہ تمہارے حوالے ہے' میں ایک ہفتے میں اسے فٹ چاہتی ہوں۔" یہ کہہ کر جونہی وہ دروازے کی طرف بڑھیں اقیہ نے تیزی سے ان کا راستہ روکتے ہوئے کہا۔

"آپ کا یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا۔" اس کے لفظوں پر وہ استہزائیہ انداز میں مسکراتی باہر نکل گئیں۔ ان کے جاتے ہی جواہر نے انٹرکام پر کہہ کر کھانا منگوایا۔

"دیکھو' اچھی لڑکی' اگر تم میرے ساتھ تعاون کرو گی تو یہ تمہارے ہی حق میں اچھا ہوگا۔ میں ویسے بھی سختی کی قائل نہیں ہوں اور تم جیسی حسین و جمیل لڑکیوں پر تو ویسے بھی ظلم اچھا نہیں لگتا۔ بہت نازک ہوتی ہیں ناں۔"

بتیس پینتیس کے پیٹے میں وہ خوبرو عورت اس کی

مسلسل برداشت آزما رہی تھی۔ ملازم ٹرالی دے کر گیا تو وہ بیڈ کے قریب لا کر پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے بولیں۔ "دیکھو سب سے پہلے تو تم کھانا کھالو پھر کام کی باتیں اس کے بعد کریں گے۔" انہوں نے سالن نکال کر پلیٹ اس کے سامنے رکھی تو وہ جو بہت دیر سے برداشت کررہی تھی اپنے آپ کو روک نہ سکی اور پلیٹ کا سارا سالن اس پر اچھال دیا۔

"یو اسٹوپڈ تم نے میرا سارا ڈریس تباہ کر ڈالا۔" وہ چیختے ہوئے جیسے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ انٹرکام دبا کر انہوں نے نگار کو بلایا اور اس کے آتے ہی خونخوار نظروں سے اقیہ کو دیکھتی وہ کمرے سے نکل گئیں۔

"یہ تم نے کیا کردیا جواہر' خانم کے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے اور لڑکیوں کو ٹرینڈ کرنے کا کام بھی اسے ہی کرنا ہوتا ہے' سب لوگ اس کی بہت عزت کرتے ہیں۔ تم اپنے لئے مشکلات کھڑی کررہی ہو۔ یہ لوگ تم پر بہت سختیاں کریں گے۔ اگر تم یہاں سے نکلنے کے کوئی حسین خواب دیکھ رہی ہو تو اسے نکال پھینکو اس زندان میں آنے کے بعد کوئی واپس نہیں جاتا کیونکہ یہاں واپسی کا دروازہ ہوتا ہی نہیں ہے۔" اس کے ناصحانہ انداز پر اقیہ زہرخند لہجے میں گویا ہوئی۔

"تم لوگ کیا کرسکتے ہو' سوائے مجھے جان سے مارنے کے' لیکن میں تمہارے عزائم کبھی پورے نہیں ہونے دوں گی۔ یہ میرا عہد ہے۔"

"یہی تو افسوس ہے کہ یہ لوگ جان سے نہیں مارتے سسک سسک کر مرنے کی زندگی مارتے ہیں' تم مرنا چاہو گی' یہ تمہیں مرنے نہیں دیں گے۔"

"کیا مطلب؟" اقیہ نے پرتشویش نظروں سے اس پرکشش لڑکی کو دیکھا جس کی آنکھوں میں انجانا دکھ تیرتا ہوا نظر آرہا تھا۔ چہرے پر جیسے درد کا دھواں سا پھیل گیا تھا۔

"کبھی میں نے بھی یہی دعویٰ کیا تھا مگر حقیقت سامنے آنے کے بعد پتہ چلا کہ کبھی کبھی جو کچھ ہم کرنا چاہتے ہیں وہ ہوتا ہی نہیں ہے' کچھ بھی ہمارے اختیار میں نہیں ہوتا۔ نہ ہمارے فیصلے نہ ہمارے عہد اور نہ ہی ہماری زندگیاں۔ محبت انسان کو برباد کرڈالتی ہے۔ اس کا سحر سر چڑھ کر بولتا ہے اور اس کا اتنا تیز رنگ ہوتا ہے کہ والدین' بہن بھائیوں کی محبت کے رنگ بھی اس کے آگے پھیکے اور ماند پڑجاتے ہیں۔" اس نے کہا تھا کہ شہر کے گھر بڑے خوبصورت ہوتے ہیں' زندگی وہاں اپنی رونقوں اور خوبصورتی کے ساتھ ہر سو بکھری ہوتی ہے' یہاں گاؤں میں کیا ہے' تم میرے ساتھ چلو گی تو میں تمہیں بتاؤں گا کہ تمہاری اصل جگہ کیا ہے۔ اور پھر میں اس کی محبت کے سہارے محض اس کے مان و اعتبار پر اپنے والدین اور بہن بھائیوں کو چھوڑ کر اس کے ساتھ چلی آئی اور وہ جو رنگ' خوشبو اور خوبصورتی کی باتیں کیا کرتا تھا وہ مجھے یہاں خانم کے پاس چند کرنسی نوٹوں کے عوض بیچ گیا۔ اور مجھے کئی دنوں تک اس تلخ حقیقت کا یقین نہیں آیا کہ میرے ساتھ ایسا ہوچکا ہے اور جب اندازہ ہوا تو پھر میں نے اس پنجرے سے نکلنے کی لاکھ کوشش کی مگر ہر کوشش جدوجہد بے سود ثابت ہوئی۔ یہ لوگ بہت ظالم ہیں' ابھی تم نے ان کا اصل روپ دیکھا ہی کہاں ہے۔" اس کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس لڑکی کی باتیں اسے مزید سہما رہی تھیں اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔ کیا وہ بھی اس کی طرح مجبور و بے بس کردی جائے گی' کیا ایسا ہوسکتا تھا کہ نواز علی خان کی بیٹی کی بولی لگے گی۔ اتنے باعزت شریف مہذب بننے والے کی بیٹی یوں سر عام بکے گی۔ "نہیں۔ نہیں۔" وہ کانپ کر کھڑی ہوگئی۔ اس کے پاس آخری راستہ موت کا بچا تھا۔ صرف موت ہی اسے ان اندھیروں سے نجات دلاسکتی تھی۔

"جو کچھ تم سوچ رہی ہو اس پر عمل نہیں کرسکو گی۔ یہ لوگ تمہیں مرنے نہیں دیں گے' اگر تم ان کی بات نہیں مانو گی تو پھر یہ دوسرا راستہ اختیار کریں گے اور وہ راستہ بہت تکلیف دہ ہے۔ تم از خود اس تکلیف دہ راستے کی وجہ سے ان کی بات ماننے پر مجبور ہوجاؤ گی۔" وہ جیسے اس کے اندر اتری ہوئی تھی۔ اس کے

چہرے پر پھیلی سوچوں کو با آسانی پڑھ سکتی تھی۔

"نہیں ایسا کبھی نہیں کروں گی۔" وہ سخت ہٹ دھرمی سے گویا ہوئی۔

"تم ایسا ضرور کروگی کیونکہ تمہیں اپنی عزت اپنی جان سے پیاری ہوگی۔ ورنہ ہر روز نیا چہرہ تمہاری خلوت کا مہمان بنے....." اس کے سفاک سرد الفاظوں پر وہ اپنی جگہ جم کر رہ گئی۔

"تم... کیا تم میری مدد نہیں کرسکتیں؟" اس کے ٹوٹے شکستہ انداز پر وہ متاسف لہجے میں بولی۔

"جو اپنی مدد نہ کرسکی ہو وہ تمہیں کس طرح بچاسکتی ہے۔" اس نے مڑ کر اقصیٰ کو دیکھا اور پھر دروازے سے باہر نکل گئی اور دروازہ ایک بار پھر لاک ہوگیا۔ وہ شکستگی سے وہیں کارپٹ پر گر گئی۔ "اب کیا ہوگا، کیا مجھے اپنی باقی زندگی اسی زندان کے اندھیروں میں بھٹکتے ہوئے گزارنی ہوگی۔ اور یہ سب کچھ پاپا جان آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔ اگر آپ نے ماضی میں اپنے خون کو نہ ٹھکرایا ہوتا تو آج میں اس ذلیل جگہ نہیں ہوتی۔" اس کی آنکھوں میں آنسو ٹوٹ کر گرنے لگے۔

❋ ــــ ❋ ــــ ❋

"میں تو پہلے ہی کہا کرتی تھی نجم الحسن جیسی ماں تھی ویسی ہی بیٹی۔ مگر تم کان نہیں دھرا کرتے تھے۔ دیکھ لیا نا، مل دی کالک اس نے تمہارے چہرے پر۔" مہر النساء بیگم طنزیہ انداز میں بولیں۔

"بس کریں میرے زخموں کو اور نہ کریدیں۔ مجھے اب بھی یقین نہیں آتا اقصیٰ ایسی ہوسکتی ہے۔" وہ بے یقینی و دکھ سے گویا تھے۔

"اب تو اس کی اندھی محبت کی پٹی آنکھوں سے اتار پھینکو اور اپنی بچیوں کا سوچو کہ اس کے اس اقدام سے ان پر اور ان کے طے کردہ رشتوں پر کیا اثر پڑے گا۔" انہوں نے یاد دلایا اور وہ جیسے لرز اٹھے۔ اقصیٰ کی گمشدگی کو آج دوسرا روز تھا۔ اور ایسی باتیں بھلا کب چھپی رہ سکتی ہیں۔ آج نہیں تو کل یہ باتیں منظر عام پر آنی ہی تھیں۔ انہوں نے اپنے تئیں اقصیٰ کا پتہ کروایا تھا، ہاسپٹلز اور ایدھی سینٹرز کے مردہ خانے تک چیک کرڈالے تھے۔ اس کی دوستوں میں جو ریبہ ہی قریب ترین دوست تھی جو فی الحال سٹڈی کی ہوئی تھی اور باقی کلاس فیلوز سے اس نے رابطہ رکھا نہیں تھا کہ گھر آنے اور جانے کا سلسلہ ہوتا۔ کل سے وہ مسلسل اس کی پریشانی میں بھاگ دوڑ کرتے پھر رہے تھے مگر کچھ پتہ نہ لگ سکا تھا اور آج شام لوٹے تو مہر النساء بیگم پھر وہی تکلیف دہ موضوع نکالے بیٹھی تھیں، جس سے وہ مسلسل بچتے چلے آئے تھے۔

"طوائفیں بھی کبھی اپنا رنگ ڈھنگ چھوڑا کرتی ہیں۔ اس کے گندے خون نے آخر اثر دکھا ہی دیا۔" ان کے زہریلے الفاظوں پر وہ چیخ اٹھے۔

"خدارا خاموش ہوجائیں۔ اس پریشانی کو کم نہیں کرسکتیں تو اپنے لفظوں سے اسے بڑھائیں بھی مت، اس کی پرورش میں نے کی ہے، رگ رگ سے واقف ہوں میں اس کی۔ اور یہ بات بھی بخوبی جانتا ہوں کہ وہ کبھی ایسا غلط قدم نہیں اٹھاسکتی۔ وہ کسی کے مذموم ارادوں کا شکار ہوگئی ہے اور کاش..... میں اس بدبخت کو جان سکتا۔" ان کی آنکھیں شدت ضبط سے سرخ ہورہی تھیں۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتے اپنے کمرے کی جانب بڑھے تھے۔

"نزہت ابھی بھی وقت ہے سمجھاؤ اپنے شوہر کو، اسے تو ہر حال میں جانا ہی تھا۔ آزاد پنچھی بھی کبھی ایک ڈال پر ٹک سکا ہے۔ ماں کے خون نے اپنا اثر تو دکھانا ہی تھا۔ پرورش سے زیادہ خون کے اثر کی تاثیر گہری ہوتی ہے۔ اب یہ بات تمہارے شوہر کے دماغ میں کس طرح سمائے۔ میں نے بہت پہلے نجم سے کہا تھا مگر اس نے کان نہیں دھرے۔ ابھی بھی وقت ہے۔ رشتے داروں میں یہ بات نہیں پھیلی، میرے ساتھ لاہور چلو سب جانتے ہیں کہ اقصیٰ تمہارا خون نہیں ہے کہہ دینا اس کا باپ لینے آیا تھا اس کے ساتھ چلی گئی۔ سوچ لو اگر یہ بات پھیل گئی تو جانتی ہو نا، تمہاری اپنی دونوں بیٹیوں کا مستقبل اقصیٰ کی لگائی ہوئی اس آگ میں بھسم ہوجائے گا۔ یہ رشتوں کے انتظار میں یونہی گھر بیٹھے بوڑھی ہوجائیں گی۔" انہوں نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ ماری تھی۔

اور نزہت بیگم جو دو روز سے مسلسل تفکرات اور سوچوں میں گھری ہوئی تھیں جیسے اضطراب کے عالم میں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اقصیٰ تو جاچکی تھی مگر ان کی پاکباز، معصوم بیٹیاں ابھی ان کے گھروں میں ہی تھیں۔ اور ماں بے شک ہمیشہ اقصیٰ کے خلاف کہتی آئیں تھیں مگر اس وقت ان کے حق میں بات کررہی تھیں۔ انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ ہر حال میں اپنے شوہر کو یہاں سے لے کر لاہور شفٹ ہونے کی کوشش کریں گی۔ انہوں نے اپنے کمرے کی طرف قدم بڑھائے تھے جہاں کچھ دیر پہلے نجم الحسن گئے تھے۔ جبکہ ان کے پیچھے صبا اور شیبا اپنی، اپنی جگہ پر اقصیٰ کے متعلق سوچ رہی تھیں کہ اب اتنے سالوں بعد ان پر اقصیٰ کی اصل حقیقت منکشف ہوئی تھی اور اتنے برے حالات میں بھی وہ اس بات پر یقین نہیں کررہی تھیں کہ اقصیٰ کسی کے ساتھ بھاگ سکتی ہے۔

❋ ــــ ❋ ــــ ❋

"وہ خانم کے بندے ہیں اور انہوں نے ہماری کارروائی کرنے سے پہلے اسے اغوا کرلیا تھا۔ اس وقت وہ لڑکی خانم کی لال کوٹھی میں اس کی تحویل میں ہے۔" وہ زوار کا خاص بندہ تھا اور اس کی اطلاع جھوٹی نہیں ہوسکتی تھی۔

"اب کیا۔ کیا جائے۔" زوار نے حکم کی رائے جاننی چاہی۔

"جو گڑ سے مرجائے اسے زہر دینے کی کیا ضرورت ہے۔" حکم کے پراسرار انداز پر اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا مطلب؟"

"یہی کہ خانم ایک لالچی اور زر پرست عورت ہے۔ اس کی زر کی ہوس پوری کردیں گے اور اقصیٰ کو خرید لیں گے۔" اس نے پرسوچ انداز میں کہا۔ ان لوگوں کا بہت پہلے سے خانم سے رابطہ تھا اور خانم کے لیے وہ خاص لوگوں میں سے ایک تھے۔

"یہ تو ٹھیک ہے یار..... مگر میں سوچ رہا ہوں، خانم جیسی خرید و فروخت کرنے والی عورت کب سے لڑکیاں اغوا کرنے لگی۔ یہ اس کا دھندا تو نہیں تھا۔"

"کہتے تو ٹھیک ہی ہو مگر یہ عقدہ وہیں جاکر کھل سکتا ہے، کیا سلسلہ ہے ذرا نمبر تو ملاؤ بات تو کریں۔" اس نے بے چینی و بے تابی سے کہا تو زوار نمبر ملانے لگا اور پھر موبائل اس کی طرف بڑھادیا۔

"زہے نصیب، کیسے یاد کیا خانم کو؟" وہ اس کی آواز پہچانتے ہی چہکیں۔

"سنا ہے بڑے خاصے کی چیز آئی ہے، کیا رونمائی نہیں کرائیں گی۔" وہ بھی ان کے ہی انداز میں شروع ہوا تھا۔ اپنے مخصوص لہجے کے ساتھ۔

"آپ ہی لوگوں کی امانت ہے خان، مگر دام زیادہ لگیں گے۔" انہوں نے شاعرانہ انداز میں مقصد کی بات کی۔

"کیوں نہیں..... جو آپ چاہیں گی ہمیں انکار نہ ہوگا۔ اگر ہمارا دل خوش ہوا تو ہم بھی آپ کو خوش کرنے میں دیر نہیں کریں گے۔" اس نے بھی کاروباری انداز میں بات آگے بڑھائی۔

"یہ عنایت ہے آپ کی۔" وہ اس کی رضامندی پر کھلیں۔

"تو پھر ہم لوگ آرہے ہیں۔" اس نے حتمی انداز میں کہا۔

"آ..... ابھی۔ اس وقت۔" انہوں نے بارہ بجاتی گھڑی کو تشویش سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کے وہاں تو دن ہی اس وقت نکلتا ہے، اس قدر حیرت کی کیا بات ہے۔" وہ سرد لہجے میں بولا۔

"وہ دراصل..... خان، لڑکی ابھی ہمارے طور طریقوں سے واقف نہیں ہے۔ آپ کو از خود اسے راضی کرنا ہوگا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے وہ بدتمیزی کرے۔ تھوڑی نئی ہے ابھی....." وہ بے بسی سے اپنی مایوسی کا اعتراف کررہی تھیں۔

"کیا کسی اور سے تو سودا نہیں ہوا؟" اس نے اپنا شک دور کرنا چاہا۔

"نہیں پہلے شخص آپ ہی ہوں گے۔" انہوں

نے کہا تو اس کے اندر سکون کی لہر سی دوڑ گئی اور وہ مطمئن بشاش لہجے میں بولا۔

"تو پھر ٹھیک ہے ہم آرہے ہیں۔ ہم از خود لڑکی سے بات کرلیں گے۔ اگر وہ راضی ہوئی تو ہمیں انکار نہ ہوگا اور اگر اس نے انکار کردیا تو جو آپ چاہیں گی وہی ہوگا۔" اس نے دوٹوک لفظوں میں کہتے ہوئے بات ختم کی تھی۔ اس کے موبائل آف کرتے ہی زوار نے کہا۔

"کیا اقیہ تمہارے ساتھ آنے پر راضی ہوجائے گی؟" اس کے شکی انداز پر حکم نے پریقین لہجے میں کہا۔

"ضرور' وہ جس جگہ ہے وہاں جانے کا شریف لڑکیاں تصور بھی نہیں کیا کرتیں کجا کہ رہنا گوارا کریں۔ تم گاڑی نکالو ہم آرہے ہیں۔ اب میں ایک لمحے اور پل کے لیے بھی اسے وہاں نہیں دیکھنا چاہتا۔"

※ ...... ※ ...... ※

وہ جواہر کے ہمراہ اس کے کمرے تک آیا تھا۔ اس کو یہاں اس حالت میں دیکھنے کے خیال سے ہی اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ زوار نیچے خانم' خمار اور نگار کے درمیان بیٹھا اس کا منتظر تھا جب کہ وہ اس کا سامنا ہونے کے تصور سے گھبرا رہا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر کیا سوچے گی۔ کس قسم کا ردعمل ظاہر کرے گی۔ وہ قبل از وقت کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو جیسے دھک سے رہ گیا۔ وہ بیڈ کے نیچے کارپیٹ پر بیٹھی گھٹنوں میں منہ دیئے زارو قطار رو رہی تھی۔ اس کی اس قدر شکستہ و تباہ کن حالت کا اس نے تصور تک نہیں کیا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور اس کے قریب دو زانو بیٹھتے ہوئے بولا۔

"اقیہ۔ اقی۔" اس کے چھوتے ہی وہ جیسے کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی تھی۔ اس کی دھندلائی آنکھوں میں وہی ایک منظر بس گیا تھا جب مشیر اور لالو نے اس لڑکی کو چمڑے کے ہنٹر سے مارنا شروع کیا تھا اور پھر اس کے انکار پر وہ اسے لے کر کمرے میں بند ہوگئے تھے۔ اس کی وہ اذیت ناک' کربناک چیخیں جیسے اس کی سماعت میں ابھی تک گونج رہی تھیں۔ اس کی وحشت بھری سرخ آنکھوں میں اتری بیگانگی پر حکم نے آگے بڑھ کر کہا۔

"اقیہ! میں تمہیں لینے آیا ہوں۔" اس کے لفظوں نے جیسے پہچان کے رنگ اس کی آنکھوں میں بھرے تھے۔ پھر اس کے لمس نے اس کے ٹھہرے ہوئے احساسات کو زندہ کیا تھا۔ اس نے بے اختیار اس کا بازو مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"مجھے یہاں سے لے چلو حکم' یہ لوگ بہت ظالم ہیں' پلیز مجھے ان لوگوں سے بچالو۔" وہ سختی و مضبوطی سے اس کے وجود کو تھامے ہوئے تھی۔

وہ جھک کر اس سے بولا۔ "ان لوگوں نے تمہیں کچھ کہا تو نہیں' کوئی تکلیف تو نہیں پہنچائی۔" اس کے لفظوں پر وہ آنسو دوپٹہ سے پونچھتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگی۔

"ٹھیک ہے پھر میں ابھی آتا ہوں۔" وہ جونہی دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے ڈر کر اس کا بازو تھام لیا۔

"تم کہاں جارہے ہو؟" اس کی آنکھوں سے جھلکتے خدشات اور وسوسوں کو محسوس کرکے وہ مسکرا دیا۔

"خانم سے بات کرنے تاکہ تمہیں اپنے ساتھ لے جاسکوں۔ اس کے ہاتھ کو تھپتھپا کر وہ باہر نکل گیا اور وہ اضطراری کیفیت میں ٹہلنے لگی۔ "وہ کیا بات کرے گا ان سے' کیا وہ اسے اس کے ساتھ اتنی آسانی سے جانے دیں گی۔" لاتعداد سوالات نے اس کے دماغ کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

※ ...... ※ ...... ※

اس کی سرخ آنکھیں مسلسل رت جگے کی خبر سنا رہی تھیں۔ اس کا چہرہ' مرجھایا ہوا زرد ہورہا تھا۔ نجانے کب سے اس نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ الجھے الجھے میں پریشان زلفیں' شانوں پر بکھری تھیں۔ سیٹ کی بیک سے سر ٹکائے اس کی نظریں ونڈ اسکرین سے دور بہت دور نجانے کیا کھوج رہی تھیں۔ کسے تلاش رہی

ڈھونڈ رہی تھیں۔ خانم کے گھر تین روز اس نے آنکھوں میں کاٹے اور بسر کیے تھے۔ اور ان تین دنوں کے درمیان اس نے رزق کو چھوا اور دیکھنا تک پسند نہیں کیا تھا۔ ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کو دیکھتے ہوئے حکم کے ہاتھوں اس کا سودا ان کی من پسند شرائط کے تحت ہوا تھا۔ اس نے اسی وقت چیک کاٹ کر خانم کے حوالے کیا تھا۔ اور اقیہ کے سامنے شادی کی شرط رکھی تھی۔ اس کے سامنے کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔ اس نے خاموشی کے ساتھ حکم کی بات مان لی اور اس کے رضامند ہوتے ہی حکم نے فون کرکے اپنے چند خاص دوستوں کو مدعو کیا اور نکاح خواں کا انتظام۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی اور پھرتی سے ہوا تھا کہ حقیقت کی بجائے خواب سا محسوس ہوتا تھا۔ اقیہ نے محض خانم سے پیچھا چھڑانے کے لیے یہ شرط منظور کی تھی اور دوسرے اپنے ماموں کے سامنے کسی بھی الزام سے بچنے کے لیے لوگوں کا منہ بند کروانے کے لیے اس نے اس شخص کا ساتھ قبول کیا تھا کہ عام حالات میں وہ یہ آفر کرتا تو وہ کبھی قبول نہ کرتی مگر اب حالات نے اسے مجبور اور بے بس کر ڈالا تھا۔ حکم اسے اپنے "وائٹ ہاؤس" لے جانا چاہتا تھا جہاں زوار اور اپنے دوسرے دوستوں کی مدد سے اس نے کمرے کی سجاوٹ کروائی بھی مگر اس کی گھمبیر خاموشی اور بکھرے وجود کو دیکھ کرنا چاہتے ہوئے بھی اس نے بیٹھتے ہی یہ کہا۔

"میں تمہیں' تمہارے گھر چھوڑ آتا ہوں۔" اور جواب میں وہ ونڈ اسکرین کو گھورتی رہی تھی۔ اور تب سے اب تک وہ کسی سنگی حسین مجسمے کی طرح خاموش بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اتری وحشت و ملال کی سرخی نے حکم کے لبوں کو سی ہی ڈالا تھا۔ روشنیاں بکھیرتا صبا لاج خلاف توقع اندھیرے میں ڈوبا نظر آرہا تھا۔ اقیہ بے یقینی و خالی الذہنی سے گاڑی سے باہر نکل آئی۔ حکم نے دوسرے بنگلے کی بیل بجا کر معلومات لینی چاہیں۔

"آج صبح ہی یہ لوگ گئے ہیں' کہاں گئے ہیں یہ ہمیں معلوم نہیں۔" اس لڑکے نے کندھے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔ حکم نے مڑ کر گاڑی کے پاس کھڑی اقیہ کا دھواں دھواں ہوتا چہرہ دیکھا۔

"جسٹ ریلیکس۔" اس نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دینی چاہی۔ اور اسے ساتھ لیے سامنے کی جانب گیلانی صاحب کے بنگلے کی بیل بجانے لگا۔

"ارے اقیہ.... تم...." وہ اسے دیکھ کر حیران ہوئے۔

"وہ.... انکل.... ماموں کہاں ہیں؟" اس نے بمشکل کہا۔

"کچھ بتا کر نہیں گئے۔ اچانک ہی جانا ہوگیا۔ یہاں تو یہ افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ تم خدانخواستہ گھر سے کہیں چلی گئی ہو اور اس ذلت و رسوائی سے بچنے کے لیے انہوں نے یہ قدم اٹھایا ہے۔ ویسے تم اتنے دن تھیں کہاں؟" وہ سوالیہ چبھتی نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔ اس کے ہونٹ کانپے اور جسم کا خون جیسے چہرے پر سمٹ آیا ہو۔ وہ دھندلائی آنکھوں کے ساتھ مڑی تو وہ بڑبڑاتے ہوئے گیٹ بند کرکے اندر کی طرف بڑھ گئے۔

"کتنے دن گلچھڑے اڑاتی پھریں' اب آگئی کہ ماموں کہاں ہیں؟" ان کے تلخ و زہر میں بجھے الفاظ اس کی سماعت میں کہرام مچارہے تھے۔ جب کہ حکم کا چہرہ غصے کی شدت سے سرخ ہوگیا تھا۔ اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ دروازہ بند کرکے جاچکے تھے۔ اس نے مڑ کر اقیہ کو دیکھا جو اپنے گیٹ کی طرف تیزی سے بڑھ رہی تھی اور پھر اس نے دیکھتے ہی دیکھتے گیٹ کو اضطراری کیفیت میں ہاتھوں سے پیٹ ڈالا۔

"ماموں! دروازہ کھولو.... پلیز دروازہ کھولو میں آگئی ہوں۔" وہ جو اپنے اندر اٹھتے طوفان پر بند باندھتی آئی تھی جیسے اس بند کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ تمام احتیاطی تدابیر ضائع ہوگئی تھیں۔ اس کا صبر ریزہ' ریزہ ہوکر آنسوؤں کے رستے آنکھوں سے بہہ نکلا تھا۔

"یہ کیا کررہی ہو؟" حکم نے اسے پیچھے سے تھام کر روکنا چاہا۔

"صبا دروازہ کھولو۔ دیکھو میں واپس آگئی ہوں' میرا تم لوگوں کے سوا دنیا میں کوئی اور نہیں ہے۔ مجھے یوں

بے آسرا مت کرو مجھے یوں دنیا میں تنہا مت چھوڑو۔" اس نے حکم کو پیچھے دھکیلتے ہوئے جنون و دیوانگی کی کیفیت میں چیختے ہوئے کہا اور پھر وہ وہیں دو زانو گر کر دلگیری سے رونے لگی۔

"ٹیک اٹ ایزی اقصیہ' میں ہوں نا' تمہارے ساتھ!" اس نے روتی ہوئی اقصیہ کو بازو سے تھام کر اٹھایا۔

"کون لگتے ہو تم میرے' جب میرے اپنوں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا تو پھر تم کون ہوتے ہو۔ تم بھی دنیا کی جھوٹی باتوں پر یقین کرلو اور یہاں سے جاؤ مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے ہتھیلیوں سے اپنی سرخ آنکھوں کو رگڑا۔ وہ اس مضبوط رشتے کو بھول ہی چکی تھی جو کچھ دیر پہلے اس کی مکمل رضامندی کے ساتھ ان کے درمیان قائم ہوا تھا۔

"تمہیں اس وقت ذہنی وجذباتی شاک پہنچا ہے اور تمہیں ایک ایسے مخلص و ہمدرد دوست کی ضرورت ہے جس کے کاندھے سے لگ کر تم اپنے اس دکھ کو آنسوؤں کی صورت بہا سکو۔ پلیز اقصیہ میرے ساتھ چلو۔" وہ نرمی کے ساتھ اس کا بازو تھامے' تھامے اسے گاڑی کے پاس لایا اور پھر بٹھا کر اس کی طرف کا ڈور لاک کیا اور دوسری طرف سے آکر اس نے سیٹ سنبھالی۔ اب اس کا رخ وائٹ ہاؤس کی طرف تھا۔ اقصیہ رخ موڑے باہر دیکھ رہی تھی مگر اس کے گالوں پر بہتے خاموش آنسو جیسے ایک ایک کرکے اس کے دل پر گر رہے تھے۔ اور اسے اندازہ تھا کہ یہ حادثہ اتنا معمولی نہ تھا جس کو وہ چند آنسو بہا کر بھلا دیتی۔ اس کے دل پر گہرا زخم اس حادثے کی بدولت لگا تھا اور اسے بھرتے بھرتے ہی بھرنا تھا۔

"السلام علیکم خان۔" اس کو دیکھتے ہی گارڈ نے سلام کیا اور گاڑی اندر آتے ہی گیٹ بند کردیا۔ گاڑی پورچ میں جا رکی۔ وہ نیچے اترا اور دوسری طرف سے آکر اس کا دروازہ کھولا اور اس کا بازو تھام کر اسے باہر اتارا۔ وہ تو پہلے ہی خانم کے حادثے کے جھٹکے سے سنبھلی نہیں تھی کہ ماموں' جن پر اسے بہت مان و اعتبار تھا کہ کوئی اس کی بات کا یقین کرے نہ کرے وہ ضرور کریں گے' انہوں نے اسے بیچ منجدھار چھوڑ ڈالا تھا۔ وہ اس دوسرے شاک سے سنبھل نہیں پائی تھی۔ وہ ٹوٹ کر بکھر گئی تھی۔ "تم ٹھیک ہونا۔" حکم نے اسے شانوں سے تھام کر پر تشویش لہجے میں جھک کر پوچھا تھا اور پھر اس کا دماغ جو پے درپے حادثات سے بوجھل اور تھکا ہوا تھا دبیز تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔ اس کے گرتے وجود کو حکم کے مضبوط ہاتھوں نے سنبھالا تھا۔ اس نے بڑی آہستگی و نرمی کے ساتھ اس کے کومل وجود کو اٹھایا تھا اور پھر اپنے بیڈ روم میں چلا آیا۔ زوار نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر تھوڑے سے وقت میں کمرے کو اور سجا ڈالا تھا۔ گلاب کی معطر مہک نے اس کے بوجھل حواسوں پر اچھا اثر کیا۔ اس کے اندر ہلچل سی مچ گئی۔ مگر وہ اپنے جذبات سلاتا اسے لے کر بیڈ کی جانب بڑھا اور نرمی سے جھک کر اسے بیڈ پر لٹا دیا۔ اس وقت اسے صرف اور صرف ذہنی سکون اور نیند کی ضرورت تھی۔ پھر بھی اس نے اپنی تسلی کے لیے ڈاکٹر کو طلب کیا جس نے آکر چیک کرنے کے بعد یہی بتایا کہ ٹینشن سے دور رکھا جائے اور اٹھنے کے بعد فوراً ہی کچھ کھانے کو دیا جائے۔ حکم نے آگے بڑھ کر اسے مخملی کمبل اچھی طرح اوڑھایا۔ اس کی پلکیں ابھی تک گیلی ہو رہی تھیں۔ دراز گھنیری اوپر کو تھوڑا مڑی ہوئی پلکیں جو اس کے چہرے کے حسن میں اضافہ کرنے کا باعث تھیں۔ اسے بے حد دکھ ہو رہا تھا۔ اسے یوں غمزدہ دیکھ کر اس کے دل پر بڑے زور کی ضرب پڑی تھی۔ وہ اس کمرے سے ملحقہ دوسرے کمرے میں چلا آیا اور سگریٹ سلگا کر دریچے میں آن کھڑا ہوا۔

"میں تمہارے تمام دکھ اپنی محبت سے دور کر ڈالوں گا۔"

"جو ناانصافیاں اب تک تمہارے ساتھ ہوئی ہیں میں تمہیں تمہارا جائز حق دلواؤں گا۔ اور آج کے بعد تم تنہا نہیں ہو' میں ہر غم اور دکھ میں تمہارا شریک غمگسار ہوں۔"

موٹاپا دُور کرنے اور سدا جوان رہنے کے لیے آپ کو کسی سلمنگ سینٹر یا ڈاکٹر کے پاس جانے کی کوئی ضرورت نہیں

پاکستان میں فروخت کا نیا ریکارڈ قائم کرنے والی
سوامی سرساوتی کی ایک حیرت انگیز کتاب

یوگا اور حسن

سدا جوان رہنے کا آسان حل

چند ہفتوں کی سادہ اور آسان ترین مشقوں سے
اپنے جسم کو عالمی معیارِ حسن کے پیمانے پر لانے کا سہل طریقہ

بھوک، پرہیز اور دواؤں سے نجات حاصل کرکے جو دل چاہے کھائیے

قیمت (علاوہ ڈاک خرچ)

یکے از مطبوعات نئے اُفق گروپ آف پبلی کیشنز

احبابِ ادب ○ پوسٹ بکس نمبر ۲۱۴۷ کراچی ۱۸

وہ سوچوں کی دنیا میں بہت دور نکل گیا۔

❋ ……… ❋ ……… ❋

اس کی آنکھ کھلی تو اس نے حیران نظروں سے اس اجنبی کمرے کو دیکھا جس کی آرائش و سجاوٹ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ گلابوں کی معطر خوشبو سے سارا کمرہ مہک رہا تھا اسے ایک ایک کرکے بہت سی باتیں یاد آتیں گئیں۔ وہ اس حادثے کی بدولت تباہ و برباد ہو چکی تھی۔ اس کے اپنے اس سے چھوٹ گئے تھے۔ ذلت و رسوائی اس کا مقدر ٹھہری تھی اور وہ اپنی فتح کے جشن منا رہا تھا۔ اسے اپنا لینے کی خوشیاں منانا چاہتا تھا۔ اس کے دل و دماغ جیسے سلگ اٹھے۔ اس نے وحشت سے گلابوں کی لڑیوں کو نوچ ڈالا اور چادر پر بکھری گلاب کی پتیاں چادر سمیت قالین پر پھینک دی۔ اس کا وجود غم و غصے سے کانپ رہا تھا۔

"ارے۔ ارے یہ تم نے کیا کر ڈالا۔ بہت ہی بدذوق ہو تم۔ ابھی کچھ دیر پہلے یہ کمرہ کتنا اچھا لگ رہا تھا اور اب۔" اس نے مسلے ہوئے گلابوں کو دیکھتے ہوئے متاسفانہ انداز میں کہا۔

"کیوں لائے ہو تم مجھے یہاں۔ میں یہاں رہنا نہیں چاہتی۔" اس نے سرد لفظوں میں نفرت بھرے انداز میں کہا۔

"اب تم میری عزت ہو اور میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتا اور نہ ہی یہاں سے جانے کی اجازت دے سکتا ہوں۔" وہ نرمی سے گویا ہوا۔

"ہنہ عزت… کتنے دن اس عزت کو سنبھالو گے' جلد ہی اس عزت سے بیزارگی و کوفت آئے گی تمہیں۔ اپنوں کی خاطر جب اس عزت کو دو بول کہہ کر بے عزت کرو گے تب یہ عزت اور اپنے الفاظ شاید تمہیں یاد بھی نہ ہوں اس لیے بہتر ہے ابھی سے کوئی فیصلہ کرلو۔ دامن چھڑالو مجھ سے۔" وہ سفاکی سے گویا ہوئی۔ اس کی زبان سے جیسے زہر ٹپکنے لگا تھا۔

"تم سب کو ایک جیسا کیوں سمجھتی ہو' مجھ پر یقین کرو۔ میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔" وہ اس کو شانوں سے تھامتے ہوئے پریقین لہجے میں مضبوطی سے بولا۔

"کیا یقین کروں' میرا تو اپنوں نے ہی یقین و اعتبار پامال کر ڈالا ہے۔ میرا تو کوئی بھی نہیں ہے۔" اس کی آواز بھیگنے لگی۔

"تم ایسا کیوں کہتی ہو' میں ہوں نا تمہارا۔" اس نے اقصیٰ کو اپنے قریب کیا۔

"نہیں چاہیے مجھے تمہارا عارضی سہارا۔" وہ اس کے ہاتھ جھٹکتے ہوئے پیچھے ہوئی۔

"اچھا غصہ مت کرو۔ میں آفس جا رہا ہوں' تم اتنے میں ناشتا کرلو' باقی باتیں پھر ہوں گی۔" وہ اس کی ذہنی کوفت کو سمجھتے ہوئے نرمی سے بولا۔

"مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔ میں یہاں رہنا نہیں چاہتی۔" وہ تلخی سے بولی۔

"اور افسوس میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ پہلے تم میری محبت تھیں مگر اب عزت بھی ہو۔" وہ سرد مہری سے گویا ہوا۔ وہ اس اقصیٰ سے کس قدر مختلف لگ رہی تھی جو اسے کل خانم کے گھر نظر آئی تھی۔

"کتنے دن اس عزت کو اس سرائے کا مہمان بناؤ گے۔ ایک سال' دو سال یا پھر چند مہینے۔" وہ نفرت سے بولی۔

"شٹ اپ آئی سے شٹ اپ۔" وہ مضبوطی سے اسے شانوں سے پکڑ کر دھاڑا تھا۔ اور پھر جھنجلاتا مڑ کر دروازے سے باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی ایک خوبصورت سی لڑکی اندر آگئی۔

"بی بی صاحب آپ ناشتا کرلیں' خان ہم کو بولا کہ آپ کا خیال رکھیں۔"

"مجھے ناشتے کی ضرورت نہیں ہے' سب سے پہلے مجھے نہانا ہے۔" اس نے اپنے اندر سے اٹھتی بدبو پر کہا اور مڑ کر وارڈ روب کی طرف بڑھ گئی۔ پریس شدہ کپڑے ترتیب سے ہینگر شدہ تھے۔ اس نے پرسوچ نظروں سے دیکھتے ہوئے براؤن اور کریم کلر کا کرتا شلوار نکالا جس پر براؤن خوبصورت سا ویسٹ کوٹ تھا۔ اس کا سوٹ بے شک اس کے بے حد ڈھیلا اور بڑا رہتا مگر وہ اس کو پہننے پر مجبور تھی محض اس لیے کہ اس کی نفاست پسند طبیعت پر اس کا اپنا لباس گراں گزر رہا تھا۔ جو تین دن پرانا ہو چکا تھا۔ وہ نہا کر فریش ہوئی تو وہی ملازمہ لڑکی چائے لے آئی۔

"بی بی! آپ ناشتا کرلو ورنہ خان ہم سے ناراض ہوگا۔" اس کی ڈری سہمی صورت پر وہ نرمی سے بولی۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" اس کے پوچھنے پر وہ وہیں پھسکڑا مار کر بیٹھ گئی۔

"جی گل جانہ نام ہے امارا۔ یہاں ہم اپنے بابا کے ساتھ ملازمت کرتا' وہاں گاؤں میں امارا اماں ہے' چھوٹی بہن اے۔"

"فکر مت کرو گل جانہ وہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔"

"پر بی بی اگر انہوں نے پوچھا تو…؟" وہ ہنوز فکر مند تھی۔

"کچھ نہیں ہوتا' میرے لیے صرف چائے بنادو' اتنی خوش قسمت کہاں ہوں کہ اتنی جلدی مر سکوں۔" وہ زہر خند لہجے میں بولی۔

"آپ اس سوٹ میں بہت اچھا دکھتا ہے۔" اس نے بے اختیار سراہا تھا۔

"اس کمبخت خوبصورتی نے ہی یہاں پہنچایا ہے۔ کم صورت اور بدصورت لوگوں کو کوئی پوچھتا بھی نہیں اور نہ ہی کسی کو ان سے محبت ہوتی ہے۔ شاید اسی لیے وہ کسی گنتی میں نہیں ہوتے۔ وہ تلخی سے مسلسل منفی انداز میں سوچ رہی تھی۔ اور اس پہلو پر غور نہیں کر رہی تھی کہ ہمیشہ انسان خوبصورتی کو سراہتا اور پسند کرتا آیا ہے مگر محبت خوبصورتی سے مشروط نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی انسان ایسے چہروں سے بھی محبت کر بیٹھتا ہے جو اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہوتے مگر بات پھر اس محبت اور اس کے لطیف جذبے کی ہے کہ یہ بے اختیار جذبہ ایسا ہے کہ انسان کا دل کسی کے آگے بھی ہار سکتا ہے۔ اس کے لیے حسین ہونا ضروری نہیں ہوتا۔

"آپ خان کا کون ہوتا ہے بی بی؟" گل جانہ کی آواز اسے سوچوں کے جنگل سے کھینچ لائی تھی۔

"میں؟" اس کے اندر جیسے جذبات شور مچانے لگے۔ تین دن پہلے سب اس کے تھے۔ یہ دنیا' اس کے بابی اور پھر ماموں' تائی' صبا اور شیبا' مگر اب وہ کسی کی نہیں رہی تھی۔ صرف مسٹر حکم یار رہ گئی تھی۔ ان تین دنوں میں وہ تہمت و الزام بن گئی تھی اور اس تہمت و الزام کو اس نے اپنا نام دیا تھا۔ کتنا عظیم شخص تھا وہ… ہاں۔" اس کے اندر تلخی پھیلنے لگی۔ دل میں جیسے سلگنے جلنے لگا تھا۔

"میں بھی دیکھتی ہوں مسٹر حکم یار' تم اس تہمت کو کتنے دن اپنے گلے کا ہار بنا کر رکھتے ہو۔ جب دنیا کی تلخ حقیقت اور سچائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو ساری محبت دھری رہ جاتی ہے۔ تم بھی جلد ہی اکتا جاؤ گے اور میں اس دن کا شدت سے انتظار کروں گی جب تم اس تہمت سے دامن چھڑانا چاہو گے اور محبت کے فلسفے تمہیں بودے اور فضول لگیں گے۔" اس کی سلگتی نظریں کپ سے اٹھتی بھاپ پر جمی تھیں اور اس کی پراسرار خاموشی اور سپاٹ تاثرات پر گل جانہ بھی اسے چاہتے ہوئے ٹوک نہ سکی۔

❋ ……… ❋ ……… ❋

اسے شام میں واپس جانا تو وائٹ ہاؤس ہی تھا مگر ضروری میٹنگ اور آفس کے معاملات کے باعث وہ شام تک مصروف رہا۔ رات میں وہ وائٹ ہاؤس آنے کی بجائے اپنے دوسرے بنگلے میں آگیا جہاں عموماً گاؤں سے رشتے دار آکر ٹھہرا کرتے تھے۔ فون کرکے اس نے گل جانہ کو اقصیٰ کے سلسلے میں ہدایتیں دے کر موبائل آف کر ڈالا۔ جبکہ دوسری طرف گل جانہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ اس کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر اقصیٰ نے اس کی بات کو درخور اعتنا نہیں جانا تھا۔ اس نے اپنی خودسری اور ہٹ دھرمی میں کھانا بھی نہیں کھایا تھا اور اس مستقل بھوک' ٹینشن اور ڈپریشن کے باعث وہ شام سے بخار میں مبتلا تھی۔ اور اب تو مارے غفلت اور مدہوشی کے اس کی آنکھیں بھی نہیں کھل رہی تھیں۔ وہ مکمل مدہوش تھی۔ وہ روتی ہوئی یوسف خان کے پاس چلی آئی۔

"بابا تم کچھ کرو خان کو فون کرکے بتاؤ بی بی کی حالت سخت خراب ہے۔ اگر انہیں کچھ ہوگیا تو... تو؟"

اس کی سراسیمگی اور رونے کو دیکھ کر یوسف خان جو گارڈ کے فرائض انجام دیتا تھا وہ بھی گڑبڑا گیا اس نے ضمیر گل سے خان کا نمبر معلوم کرکے انہیں فون کیا تو وہ اس اطلاع پر چیخ اٹھا۔

"کیا کہہ رہے ہو یوسف خان اور تم... تم مجھے اس وقت اطلاع دے رہے ہو۔" اس نے غصے و جھنجلاہٹ میں موبائل آف کیا تھا۔ فوری طور پر اس نے اپنے فیملی ڈاکٹر کو فون کرکے وائٹ ہاؤس پہنچنے کی تاکید کی اور پھر خود بھی جلدی سے نیچے آکر گاڑی نکالی اور تیزی سے وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ اس وقت رات کے دو بج رہے تھے اور اس کی گاڑی فل اسپیڈ پر وائٹ ہاؤس کی طرف رواں دواں تھی۔ سنسان سڑکوں کے باعث وہ جلد ہی اپنے مطلوبہ مقام پر پہنچ چکا تھا۔

ڈاکٹر گردیزی اب تک نہیں پہنچے تھے۔ اس نے کمرے میں آکر مدہوش پڑی اقتیہ کو دیکھا جس کا چہرہ بخار کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے نرمی سے اس کے چہرے کو چھوا تو تشویش و پریشانی سے لبے بھینچ کر بیٹھا۔

"اقتیہ... اقتیہ تمہیں کچھ نہیں ہوسکتا۔ تم یوں آسانی سے میری زندگی سے نہیں نکل سکتیں۔" تبھی دروازے پر دستک ہوئی اور وہ سختی سے ہونٹ بھینچے اس کی طرف بڑھا۔ ڈاکٹر گردیزی آچکے تھے۔ ملازم انہی کی اطلاع دینے آیا تھا۔ ڈاکٹر نے اقتیہ کو چیک کرکے فوری طور پر دو انجکشن لگائے اور گلوکوز کی ڈرپ' کمزوری کی وجہ سے جسے ختم ہونے کے بعد چینج کرنا ضروری تھا۔ اس کا ذمہ حکم یار نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اور تین گھنٹے کے بعد دی گئی ہدایت کے مطابق اسے دوا بھی دینی تھی۔ اس لیے حکم نے سونے کا ارادہ ملتوی کیا اور ڈاکٹر کے جاتے ہی اس نے گل جانہ کی خبر لی۔

"صاحب ام کیا کرتا' بی بی امارا بات سنتا ہی نہیں تھا۔ ام کو معاف کردو۔" اس کے غصے کے خوف سے وہ لرز رہی تھی۔ اس کے آنسو تواتر کے ساتھ گالوں پر بہہ رہے تھے۔

"اس گھر کو ذمے دار ملازمین کی ضرورت ہے تمہاری طرح بدحرام ملازمین کی نہیں۔ یوسف خان اسے کل ہی گاؤں چھوڑ آؤ اور ریشم کو لے آنا۔" اس نے سختی کے ساتھ سرد مہری سے آرڈر سنائے اور کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ ایک گھنٹے کے وقفے کے بعد ہی اس کے چہرے پر پسینہ چمکنے لگا۔ حکم نے جھک کر اس کے چہرے کو ٹاول سے پونچھا اور کمبل درست کرتے اس کے ہاتھ لمحہ بھر کو رک گئے۔ اس کے سوٹ میں اس کا دلکش سوگوار حسن مزید نکھر گیا تھا۔ حکم کو جہاں اسے اپنا سوٹ پہنے دیکھ کر خوشی ہوئی وہیں اپنی کوتاہی کا بھی شدت سے احساس ہوا۔ یہ تو اسے یاد ہی نہیں رہا تھا کہ اسے اب وائٹ ہاؤس آنے کے بعد اپنی ضرورت کی ہر چیز کی ضرورت تھی۔ اس نے صبح ہی جاکر اس کام کو انجام دینے کا لمحہ بھر کو سوچا اور پھر وہیں بیٹھ کر قریب رکھی کرسی پر دراز ہوگیا۔ اور اس کا ہاتھ نرمی سے اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھامتے ہوئے سرگوشی کی کیفیت میں اس کے غافل وجود سے بولا۔

"تمہیں میری خاطر جینا ہے' لوٹنا ہے' زندگی کی طرف' میرا یقین کرو اقتیہ میں تم سے سچی اور حقیقی محبت کرتا ہوں' کاش تمہیں اندازہ ہوسکتا۔" آزردگی کی کیفیت میں اس نے اس کے مخروطی ہاتھ کو اپنے ہونٹوں سے لگایا تھا۔ اور پھر ڈرپ کے ختم ہوتے ہی اس نے ٹائم کے مطابق اسے دوا دی اور پھر جب وہ تھک کر اس کے برابر لیٹا تو صبح کے ساڑھے پانچ ہو رہے تھے۔ اس نے اپنی آنکھوں پر بازو رکھا اور تمام لائٹیں آف کرکے سائیڈ چھوٹے لیمپ روشن کیے جس سے کمرے میں خوابناک اجالا پھیل گیا تھا۔ جلد ہی اس کی آنکھوں میں نیند اترنے لگی۔

* ..... * ..... *

اس کی آنکھ کھلی تو حکم اس کے ہونٹوں سے گلاس لگا رہا تھا۔ اس نے دو گھونٹ لی کر خوابیدہ نظروں سے اسے دیکھنا محسوس کرنا چاہا تھا مگر کمزوری و نقاہت کے

باعث اسے نیند آگئی تھی۔ پھر اس نے اپنے ہاتھ کو کسی کی مضبوط گرفت میں محسوس کیا تھا۔ جب دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تو روشنی ہوچکی تھی۔ رات جیسا اندھیرا نہیں تھا۔ اس نے تھوڑا سا اٹھ کر دائیں طرف رخ کیا تو کرسی پر دراز حکم کو دیکھ کر اس کی آنکھیں چند لمحوں کو اس پر ٹھہر کر رہ گئیں۔ نسواری کلر کے قمیض شلوار میں ملبوس وائٹ شال دائیں کاندھے پر اپنے مخصوص انداز میں لپٹی ہوئی تھی۔ اس کی خوبصورت و گہری پراثر آنکھیں نجانے کون سا سپنا دیکھ رہی تھیں۔ اٹھی ہوئی ستواں مغرور ناک جس کے آگے وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ مگر اس کے آگے نجانے کیوں اور کیسے ہار گیا تھا۔ اسے لمحہ بھر کو تعجب ہوا ایسی کیا خوبی تھی اس میں جو وہ اس کے پیچھے یوں خوار ہوا پھر رہا تھا۔ گھنی مونچھوں تلے ہونٹ اور اس سے نیچے اس کا کھلا ہوا گریبان جس سے گلے میں پڑی گولڈ کی زنجیریں جھانک رہی تھیں۔

وہ تھک کر دوبارہ لیٹ گئی۔ اس کی آنکھیں ایک بار پھر اس کے چہرے کی طرف اٹھی تھیں۔ اس کے ماتھے پر بال بکھرے ہوئے تھے۔ نجانے کیوں اس کا جی چاہا وہ اسے یوں سوتے ہوئے ایک بار پھر دیکھے مگر اس نے اپنے اندر کی آواز کو سختی سے دبا ڈالا اور سختی کے ساتھ آنکھیں بند کرلیں۔ "میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے اور یہ سامنے بیٹھا شخص بھی محض سراب کے سوا کچھ نہیں ہے۔ کچھ بھی نہیں ہے' اپنے آپ کو فریب دیتے ہوئے وہ ایک بار پھر نیند کی وادیوں میں اتر گئی اور جب تیسری بار اس کی آنکھ کھلی تو حکم نہا کر فریش ہوچکا تھا۔ وائٹ کلف والے سوٹ میں اس کی وجاہت اور بڑھ گئی تھی۔ "صبح بخیر۔ اب تمہیں بخار نہیں ہے۔" اس نے جھک کر اس سے کہا تو وہ اٹھنے لگی جس پر حکم نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے سہارا دے کر اسے بٹھانا چاہا تو وہ اس کے سہارے اور چھونے کے احساس سے جلدی سے اٹھنے کی کوشش میں اٹھی تو کمزوری و نقاہت کے باعث ایک لمحے کو اس کا سر چکرا گیا اور اس کے شانے سے جا لگا۔

"تم ٹھیک ہو نا؟" اس نے نرمی سے اس کا گال تھپتھپایا۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ آنکھوں کے گرد گہرے حلقے پڑ چکے تھے۔ محض چند دنوں نے اس کی ساری توانائی و طاقت کو نچوڑ ڈالا تھا۔

"ہاں... میں ٹھیک ہوں۔" وہ بامشکل لرزتی آواز میں بولی۔ اس کی جھجک محسوس کرکے اس نے ریشم کو انٹرکام پر بلایا جو صبح ہی گاؤں سے آئی تھی۔

"ریشم! بی بی کو منہ دھلوانے میں مدد دو اور پھر ناشتہ لے کر آؤ یہ آج میرے سامنے کریں گی۔" اس کے حکم پر اقتیہ کی نظریں اس کی طرف اٹھیں مگر وہ بے نیاز بنا کمرے سے باہر آگیا اس نے اقتیہ کی بہت ہٹ دھرمی برداشت کرلی تھی اب وہ اپنی کرنا چاہتا تھا۔ ریشم نے اسے سہارا دینا چاہا تو اس نے انکار کر ڈالا گلوکوز کی بدولت اس کی خاصی کمزوری دور ہوچکی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی واش روم تک پہنچی اور پھر منہ دھو کر باہر آئی تو ریشم ناشتے کی ٹرالی سمیت اس کی منتظر تھی۔ وہ آکر بیڈ پر ٹک گئی۔

حکم کے آتے ہی ریشم کمرے سے باہر نکل گئی۔ اسے یونہی ساکت بیٹھے دیکھ کر اس نے جوس کا گلاس اس کے سامنے رکھا اور توس پر جیلی لگانے لگا۔

"میں یہ نہیں کھاؤں گی اس لیے آپ پلیز۔ زحمت مت کریں۔" اس نے رک۔ رک کر سرد مہری سے کہا۔

"اگر اب بھی نہیں کھاؤ گی تو مر جاؤ گی۔" وہ چھری پٹخ کر اس کی لایعنی ضد پر عاجز ہوا تھا۔

"مجھے زندہ رہ کر بھی کیا کرنا ہے۔ میرے جیسے تہمت و الزام لگے لوگوں کی اصل جگہ قبر ہی ہوتی ہے۔" اس کا مایوسانہ لہجہ اسے غمزدہ کرگیا۔

"تم تہمت و الزام نہیں ہو' پاکیزہ' معصوم ہو' تمہاری سچائی کا گواہ میں ہوں' میں تمہارا اپنا ہوں اگر تم سمجھو تو..."

"جو اپنے تھے انہوں نے میرا اعتبار نہیں کیا تو میں کس طرح تمہارا اعتبار کرلوں۔ میں نے تو کبھی زیادہ خواہشیں پالی بھی نہیں۔ ایک ذرا سی خواہش و خواب

تھا۔ عزت سے جینے اور رہنے کا۔ وہ بھی چھن گیا مجھ سے۔ میں کس طرح تمہارا یقین کروں۔ مجھ سے تو مان و احساس ہی چھین لیا گیا ہے۔" وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ اداس و غمگین نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اس لڑکی کے آگے ہار رہا ہو۔ وہ لمحہ بہ لمحہ اسے اپنے سے دور ہوتی محسوس ہو رہی تھی اور اس کی شدت میں اضافہ روز افزوں ہو رہا تھا۔ وہ اسے کسی بھی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا تھا۔

"کیوں نہ کہو میں تمہیں وہ اعتبار دوں گا جو ٹوٹ چکا ہے۔ صرف ایک بار میرا یقین کرو پلیز ناشتہ کر لو۔" وہ بے بس لہجے میں نرمی سے بولا۔

"مجھے نہیں کرنا ناشتہ۔" وہ آنسو پونچھتے ہوئے حتمی لہجے میں بولی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تمہاری زندگی اتنی بے معنی نہیں ہے کہ ان لوگوں کے پیچھے جو تمہیں چھوڑ گئے ہیں برباد کر ڈالو۔ تمہیں کسی کے لیے نہیں صرف میرے لیے جینا ہے' سمجھیں' اب تم ناشتہ کر لی ہو یا میں زبردستی تمہیں کھلاؤں؟" اس نے بڑے استحقاق بھرے انداز میں اسے بازو سے پکڑ کر اپنے قریب کرتے ہوئے کہا۔ وہ لمحہ بھر کو اس درجہ قربت پر ہراساں ہو گئی۔ اس کی گرم سانسیں اسے اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ تو اس رشتے کو بھلائے ہی بیٹھی تھی' جو ہاں کرتے ہی اس کے نام کے ساتھ جوڑا گیا تھا۔ اور اسی اختیار کی بدولت وہ اس پر اپنا استحقاق جتا رہا تھا۔ وہ جیسے تڑپ کر اس کی گرفت سے نکلی تھی۔ لمحہ بھر کو اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھایا' کمزوری کے باعث مگر اس نے محسوس نہیں ہونے دیا اور کمزور لہجے میں رخ موڑے' موڑے ہی بولی۔

"میں ... میں ناشتہ کر لوں گی۔ آپ ... آپ جائیں یہاں سے۔" اس کے انداز کی بے بسی کو محسوس کر کے وہ جیسے زیر لب مسکرا دیا اور پھر کمرے سے باہر نکل گیا۔ ناشتہ تو وہ اپنے وقت پر کر ہی چکا تھا اس کا تو محض ساتھ دینا تھا۔ اب اس کے راضی ہوتے پر اس کا پروگرام اقصیٰ کے کپڑوں کے سلسلے میں شاپنگ کرنے کا تھا۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ دن کے ساڑھے گیارہ ہو رہے تھے۔ وہ ریشم کو اقصیٰ کے پاس بھیجتا خود پورچ میں کھڑی گاڑی کی طرف بڑھا تھا۔

☼ ☼ ☼

چالیس لاکھ اپنی جگہ بڑی اہمیت رکھتے تھے اور حکم یار نے اتنی بڑی رقم محض ایک طوائف کو حاصل کرنے اور اس کے حصول میں ضائع کر ڈالی تھی۔ وہ جیسے ضمیر گل کی زبانی اس انکشاف پر انگاروں پر جا بیٹھے تھے۔ ضمیر گل کو انہوں نے حکم یار کے وائٹ ہاؤس میں اس کے معاملات کی خبر رکھنے کے لیے رکھا تھا اور اس کے توسط سے ہی یہ خبر ان تک پہنچی تھی جبکہ حکم یار اس مخبری سے آگاہ نہیں تھا۔

"خان جی! اس لڑکی کا سودا خانم کی لال کوٹھی میں ہی ہوا تھا۔ اور چھوٹے خان نے یہ رقم چیک کی صورت میں ادا کر کے لڑکی کے ساتھ اپنے خاص بنگلے میں شفٹ ہو گئے تھے۔"

"وہ لڑکی کون تھی؟" ان کا تفکرات میں ڈوبا ذہن سائیں' سائیں کر رہا تھا۔ وہ تو حکم کو غیر برادری میں شادی کی اجازت نہیں دے رہے تھے کجا کہ کسی طوائف زادی کو خاندانی بہو تسلیم کر لیتے۔ ان کی رگوں میں جیسے لہو کی جگہ غصہ بارود بن کر دوڑنے لگا تھا۔

"معلوم ہوا ہے کہ وہ لڑکی خانم کی نواسی ہے اور بے انتہا حسین ہے۔ پہلی بار خانم نے ہی اسے متعارف کرایا ہے۔" وہ مودبانہ انداز میں جواب دے کر سر جھکا کر کھڑا ہو گیا جبکہ شہباز خان اس خبر کے بعد سے جلے پاؤں کی بلی کی طرح ادھر سے ادھر مسلسل چکر کاٹ رہے تھے۔

"خان جی اب میرے لیے کیا حکم ہے۔ مجھے وائٹ ہاؤس بھی پہنچنا ہے۔ چھوٹے خان جی میری غیر موجودگی میں کہیں مجھے کال نہ کر لیں۔" اس کے فکر مند انداز پر وہ سرمہری سے گویا ہوئے۔

"اب جاؤ اور کوئی نئی بات ہو تو مجھے موبائل پر کال کر لینا۔" ان کا حکم ملتے ہی وہ رخصت ہو گیا۔ جبکہ وہ اپنی پریشانی میں گم ایسے ٹہل رہے تھے کہ نواز علی خان کی آمد سے بھی لاعلم رہے۔

"خیریت لالہ؟" ان کی آواز پر وہ چونکے اور پھر مخملی صوفے پر بیٹھ کر صوفے کی پشت پر ہاتھ پھیلاتے ہوئے سگار کا گہرا کش لیتے ہوئے بولے۔

"حکم انہی راہوں پر چل نکلا ہے جس راہ پر کبھی تم چلے تھے۔ ان کے لفظوں پر ان کی آنکھوں کے آگے نیلم اور اپنی معصوم سی گہرے اداس آنکھوں والی معصوم سی بچی کی شکل پھر گئی۔ جو عرصہ بارہ سال پہلے ان سے ملنے آئی تھی۔ کتنی آرزوئیں اور جذبے تھے اس کے معصوم چہرے پر اور انہوں نے کتنی سفاکی و بیدردی سے اسے اپنا کہتے' اپنا ماننے سے ہی انکار کر کے اس کے معصوم جذبوں کو پیروں تلے روند ڈالا تھا۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو میں روایتوں کا پابند اور اعلیٰ نسل و حسب و نسب کے متعلق کس قدر حساس ہوں۔ اور ہرگز نہیں چاہوں گا کہ وہ لڑکی جسے وہ گندگی سے اٹھا کر ہماری پاکیزہ حویلی کے ماحول کو خراب کرنا چاہتا ہے۔ وہ بحیثیت بہو کے یہاں آئے۔ اس لیے تم حکم کے پاس جاؤ اور اسے سمجھاؤ جب اس اقدام پر میں اپنے جان سے عزیز اکلوتے بھائی کو چھوڑ سکتا ہوں تو پھر وہ تو میری اولاد ہے اور اکلوتا بھی نہیں۔ اگر میں نے اسے عاق کر دیا تو تمام زندگی نہ تو وہ میری زندگی میں حویلی میں قدم رکھ سکے گا اور نہ ہی میری زندگی میں حویلی کے کسی فرد سے مل سکے گا۔ ان کے سفاکانہ حکم پر وہ لرز اٹھے۔ وہ اچھی طرح ان کی ضدی ہٹ دھرم فطرت سے واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں اس پر ضرور عمل کریں گے۔ اگر حکم نے ان کی بات نہیں مانی تو۔

"لالہ! آپ فکر نہ کریں۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ لڑکی جہاں سے آئی ہے وہیں لوٹ جائے اور حکم واپس آجائے۔" انہوں نے گہری افسردگی کے ساتھ کہا۔

"شیر گل کیسا ہے۔ خط بھی آتے ہیں یا نہیں۔" ان کے جواب سے ان کی تشفی ہوئی تھی اس لیے وہ مطمئن ہو کر بھتیجے کی خیریت دریافت کرنے لگے جو بیرون ملک اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں گیا ہوا تھا۔

"خط تو کم ہی لکھتا ہے' فون کے ذریعے خیریت کی اطلاع مل جاتی ہے۔ وہ کہہ کر ان سے جانے کی اجازت لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ بھائی کو تو تسلی دے آئے تھے مگر اپنے آپ کو سمجھا نہیں پا رہے تھے۔ ایک بے کلی و بے چینی نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ نیلم سے قطع تعلق کے بعد انہوں نے کبھی اپنی بیٹی کے سلسلے میں نہیں سوچا تھا اور نہ ہی اس کی یاد میں وہ بیقرار ہوئے تھے مگر پھر ایسا ہوا کہ وہ اچانک ہی ان سے ملنے چلی آئی اور جب انہوں نے بڑے تنفر و غرور کے ساتھ اسے اپنا ماننے سے انکار کیا تب بھی ان کے پتھر دل میں کوئی احساس نہیں جاگا تھا۔ مگر جاتے وقت اس کا پلٹ کر بھیگی آنکھوں سے دیکھنا' ہزاروں شکوے' گلے' کیا کچھ اس کی آنکھوں میں نہ تھا۔ وہ ایک پل کو لرز اٹھے۔ اور کئی ہفتوں اس کو بھلا نہ سکے اور نہ ہی ان معصوم آنکھوں کو دل کو ملال اور احساس جرم نے یوں گھیرا تھا کہ پھر وہ چین نہ پا سکے۔ دل کی بیقراری حد سے بڑھی تو مجبور ہو کر وہ نجم الحسن کے آفس اس سے ملنے گئے تب پتہ چلا کہ وہ جاب اور فلیٹ چھوڑ کر اس شہر سے ہی جا چکے ہیں۔ تب کتنے عرصے وہ اس احساس ندامت و پچھتاوے میں گھرے تڑپتے رہے تھے مگر دل کی تڑپ اور بیقراری نے پیچھا نہیں چھوڑا تھا اور اب بھی ارادی و غیر اختیاری طور پر وہ ہزار چہروں میں گہرے آنکھوں والی اس بچی کو ڈھونڈتے تھے جو لوگوں کے ہجوم بیکراں میں نجانے کہاں کھو گئی تھی۔ اور اب تو بڑی بھی ہو چکی ہو گی۔ وہ کیونکر اسے پہچان سکیں گے۔ ان کا دل اداسی کے اتھاہ سمندر میں جاوداں تھا۔ وہ ان کا اپنا خون تھی۔ ان کے وجود کا حصہ نجانے کہاں رل رہی ہو گی۔ یہی سوچ اکثر ان کا کھانا پینا حرام کر ڈالتی تھی۔ وہ خدا کے حضور بھی گڑگڑا کر اس کے ملنے کی دعائیں کر چکے تھے کہ صرف ایک بار مل جائے تو اسے سینے سے لگا کر اپنی غلطی کی معافی تلافی

کرلیں گے۔ لیکن یوں لگتا تھا کہ گھر آئی رحمت کو پہلے انہوں نے ٹھکرادیا تھا۔ اور اب خدا ان کے صبر کا امتحان لے رہا تھا۔

* ...... * ...... *

"ایک سے ایک حسین و خوبصورت کام والے سوٹ اس وقت اس کے بیڈ پر اس کے سامنے بکھرے ہوئے تھے۔ وہ سپاٹ چہرے اور سرد مہر نظروں سے اس کے لائے ہوئے کپڑے دیکھ رہی تھی۔ اس کے تاثرات پر جیسے وہ بجھ کر رہ گیا۔

"کیا تمہیں یہ سب پسند نہیں آئے؟" اس کے تین گھنٹے کی محنت پر اس نے جیسے پانی پھیر ڈالا تھا۔

"اچھے ہیں۔ مگر میں اتنے بھرے ہوئے کاموں والے کپڑے استعمال نہیں کرتی۔ مجھے سادہ ایزی سوٹ پسند ہیں۔" وہ ہنوز اسی انداز میں بولی۔

"لیکن شادی کے بعد ایسے ہی کپڑے اچھے لگتے ہیں۔ اب آپ کو صرف اپنی ہی پسند نہیں دیکھنی بلکہ میرے احساسات کا بھی خیال رکھنا ہے۔" وہ ذو معنی انداز میں مسکرایا اور اس کا چہرہ جیسے تپ اٹھا اور ناگواری سے جھلاتے ہوئے بولی۔ "یہ شادی بہت مجبوری اور بے بسی کے عالم میں ہر طرف سے ناامید و مایوس ہو کر آپ سے کی ہے۔ اس میں میری کسی ذاتی خوشی یا پسند کو دخل نہیں ہے اور جب ایسا کوئی معاملہ نہ ہوا تو پسند نہ پسند کا بھی کوئی سلسلہ نہیں رہ جاتا۔"

"بے شک اس میں تمہاری ذاتی خوشی شامل ہو نہ ہو لیکن یہ شادی میری مکمل رضامندی اور پسند سے ہوئی ہے۔ اور آپ ہر صورت وہی کریں گی جو میں چاہوں گا۔" آخر میں اس کا لہجہ روکھا سا ہوگیا۔

"ہنہ۔ چاہت، پسند، محبت، فضول ڈھونگ اور وقتی جذباتیت، یہ وہ جذبہ ہے جو ملاپ کے رنگوں کے بعد پھیکا پڑجاتا ہے۔" اس کا اندر بھی زہر خند ہوگیا۔

"میری محبت کو تم نظر کا دھوکا اور فریب خیال کرتی ہو اگر مجھے تم سے سچی محبت نہ ہوتی تو میں اس دن تمہیں خانم کی کوٹھی سے باعزت طریقے سے لے کر نہیں آتا بلکہ وہیں رات گزار کر چھوڑ آتا اور یہ کام میرے لیے مشکل نہ تھا۔ ان تین دنوں میں تم مکمل طور پر میرے اختیار اور دسترس میں تنہا رہی ہو اور از خود گواہ ہو اس سچائی کی کہ میں نے تمہیں اپنی محبت ہی سمجھا۔ حالانکہ اگر میں تمہاری قربت حاصل کرتا تو یہ شرعاً" قانوناً" مذہباً" بھی جائز فعل تھا کہ بہرحال تم میری بیوی تھیں۔ اس کا ضبط جیسے جواب دے گیا تھا۔ وہ اسے شانوں سے تھام کر غصے سے دھاڑا تو اس کا وجود ہولے ہولے لرزنے لگا۔ اس نے ایک نظر اس کے زرد ہوتے فق چہرے کو دیکھا پھر اسے بیڈ پر دھکیلتا کمرے سے نکل گیا اور وہ اپنی جگہ دم بخود پشیمان سی بیٹھی رہ گئی۔

* ...... * ...... *

"انکل۔ آپ نے بھی ان لوگوں کی باتوں کا یقین کرلیا۔ افراز بے یقینی و دکھ سے نجم الحسن کو دیکھ کر بولا۔ جن کے چہرے پر ملال کے گہرے رنگ چھائے ہوئے تھے۔

"میں تمہاری خالہ کے آنسوؤں کے آگے مجبور ہو کر اس بچی سے منہ موڑ بیٹھا اور اگر اب وہ نہ ملی تو اپنے آپ کو تمام عمر معاف نہیں کرسکوں گا۔ اس لیے میں نے سوچا ہے کل ہی کراچی کے لیے سیٹ بک کراؤں جو غلطی ہوچکی ہے میں کراچی جاکر اس کی تلافی کروں گا اور نئے سرے سے اقیہ کا پتہ کرنے، اسے ڈھونڈنے کی کوشش کروں گا۔" وہ متاسفانہ لہجے میں بولے۔

"ایک بیٹی کی نسبت تو اس نحوست ماری کی بدولت پہلے ہی ٹوٹ چکی ہے اب تم چاہتے ہو صبا کے سلسلے میں بھی انکار ہوجائے۔" مہرالنساء بیگم ان کے ارادوں پر بلبلا ئیں۔

"احتشام کے گھر والوں نے رشتہ توڑ کر جو غلطی کی ہے وہ غلطی میں ہرگز نہیں دہراؤں گا۔ مجھے جس قدر صبا پر یقین و اعتماد ہے اسی طرح اقیہ پر بھی۔" افراز نے مضبوط لہجے میں سختی سے کہا۔ اقیہ کے گھر سے غائب ہونے والی بات نجانے کیسے ارسان خورشید کو مل گئی تھی۔ اس نے ہی احتشام کے گھر والوں کو یہ خبر دی

تھی جس کی بدولت وہ متنفر ہوئے تھے اور نجم الحسن کو اس بات کا خاصا قلق تھا۔

"انکل آپ فکر مت کریں، میں بھی آپ کے ساتھ کراچی چلوں گا۔ وہاں سی آئی اے میں میرا دوست ہے اس کے طفیل ہمیں اقشہ کا کیس حل کرنے میں مدد ملے گی۔" افراز نے انہیں حوصلہ دیا۔

"جیتے رہو، سلامت رہو بیٹے، اگر اقشہ مل گئی تو سمجھو میرے سر سے احساس جرم کا یہ بار اتر جائے گا کہ میں اس مشکل میں اسے تنہا و بے آسرا چھوڑ آیا تھا۔" ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"انشاء اللہ انکل مجھے پورا بھروسہ ہے۔ ہم اقشہ کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ میں آج ہی کل کے لیے سیٹیں بک کرواتا ہوں۔ فی الحال صرف ہم اور آپ ہی کراچی جا کر اس کا پتہ کریں گے اور آنٹی صبا لوگ بعد میں آجائیں گے۔" اس کے پر یقین لہجے پر وہ ایک بار پھر جی اٹھے۔

❋ ...... ❋ ...... ❋

"غم و غصے سے اس کے اندر جیسے بھانبھڑ سے جل رہے تھے۔ وہ اس کے خلوص و محبت کو کتنا غلط سمجھتی تھی۔ اس کی سچائی اس کے آگے کتنی بے معنی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر رش ڈرائیونگ کرتا رہا، سوچ سوچ کر جیسے اس کا ذہن تھک سا گیا تھا۔ آخر کار جب کئی گھنٹے بعد وہ پرل ریسٹورنٹ میں کافی کا آرڈر دے کر بیٹھا تو اس کا غصہ رفو ہو چکا تھا اور وہ آزردگی سے سوچ رہا تھا کہ اس کی غلطی کہیں نہیں تھی اس لیے کہ اسے تو وہ حالات پیش آئے تھے اور ایسے حالات میں اس کا اس قدر متنفر ہونا لازمی تھا۔ اگر وہ اعتبار و یقین کی منزل سے دور تھی تو اس میں وہ قصور وار نہیں تھی۔ جب سے خانم نے اسے اصل حقیقت سے آگاہ کیا تھا تب سے وہ اس کے دل سے اور قریب تر ہو گئی تھی وہ تو محض اسے خریدنے گیا تھا مگر بولی لگاتے ہوئے خانم نے جب ماضی کے اوراق پلٹے تو وہ دم بخود رہ گیا۔ وہ انجانے میں ہی اپنے ہی خاندان کی عزت کو خریدنے آیا تھا۔ بقول خانم کے "یہ لڑکی کوئی معمولی نہیں ہے۔ اس کا حسب نسب بھی خان آپ کے حسب نسب کی طرح اونچا و اعلیٰ ہے۔" پھر انہوں نے مختصراً لفظوں میں نواز علی خان اور نیلم کی زندگی کے چند اوراق پڑھ کر سنائے اور حکم تو پہلے ہی واقف تھا اپنے چچا کے ماضی سے جو لاہور پڑھنے گئے تھے اور وہیں کسی کی زلفوں کے اسیر ہو گئے تھے اور اس کے لیے وہ کچھ سال گھر سے بھی الگ رہے تھے مگر بعد میں وہ اپنی بیٹی اور بیوی کو چھوڑ کر آگئے تھے اور آج تک اس کا کوئی پتہ نہیں چل سکا تھا۔ اس حقیقت کو جان کر ہی اس نے فوری طور پر شادی کی شرط رکھی تھی۔ وہ اقشہ کو اپنانا تو پہلے بھی چاہتا تھا مگر یہ جان کر کہ وہ ان کا اپنا خون اور اس قدر قریبی رشتے دار ہے اسے اور عزیز ہو گئی تھی۔ یہ حقیقت وہ اقشہ کو بتانے سے پہلے اپنے چچا کو بتانا چاہتا تھا۔ نجانے اصل بات جان کر وہ کیا رد عمل ظاہر کرتی اس لیے اس نے اب تک اس راز کو افشا نہیں کیا تھا۔

وہ کافی کی چسکیاں لے رہا تھا جب موبائل کی بیل ہونے لگی اس نے بیزارگی کے ساتھ آن کیا اور نواز علی خان کی آواز پر چونک اٹھا۔

"چچا جان۔ آپ۔ السلام علیکم۔ کیسے یاد کیا؟"

"وعلیکم السلام، جہاں کہیں ہو سیدھے گھر پہنچو مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" انہوں نے یہ کہہ کر موبائل آف کر ڈالا اب اس کے لیے وہاں رکنے کا کوئی جواز نہیں تھا اس لیے وہ گاڑی کی چابیاں اور موبائل اٹھا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا ذہن ہنوز سوچوں میں گرفتار تھا۔ چچا جان نے اتنا ارجنٹ کیوں بلایا ہے۔ کہیں اقشہ کی خبر بابا جان تک تو نہیں پہنچ گئی۔ اسے معلوم تھا ایسی خبریں چھپی نہیں رہ سکتی تھیں اور وہ اس سچائی کا سامنا کرنے کے لیے مکمل طور پر تیار تھا۔

❋ ...... ❋ ...... ❋

"خان لالہ کا پیغام میں نے تم تک پہنچا دیا ہے جو بھی فیصلہ کرو سوچ سمجھ کر کرنا۔ اگر تم ضدی ہو تو وہ تمہارے والد ہیں۔ وہ کبھی بھی نہیں جھکیں گے اور ویسے بھی بیٹے کوئی ایسا فیصلہ نہ کرنا کہ تمہیں بعد میں پچھتانا پڑے۔" ان کی آنکھوں میں اداسی گہری ہونے

لگی۔ دل کا درد جیسے یک لخت بڑھ گیا تھا۔

"نہیں چچا جان، ہر دفعہ بابا جان کا ہی فیصلہ نہیں مانا جائے گا۔ کچھ باتیں انہیں بھی ہماری ماننی ہوں گی اور مجھے یقین ہے وہ اقشہ کو بطور بہو ضرور قبول کر لیں گے۔" حکم کے پر یقین لہجے سے زیادہ وہ اس نام پر چونکے تھے جو ان کے لیے قطعی اجنبی نہیں تھا۔ جب ان کی خواہش کے برعکس بیٹی پیدا ہوئی تھی تو وہ خاصے رنجیدہ ہوئے تھے مگر جب انہوں نے نیلم کی گود میں اس حسین گلابی چہرے، تیکھے نقوش اور گہری آنکھوں والی بچی کو دیکھا تو بے اختیار کہہ اٹھے تھے یہ تو اقشہ ہے۔ آج سے اسے یہی پکارا جائے گا۔ اور جب نیلم نے اس کی معنی پوچھے تو وہ مسکرا کر بولے تھے "میٹھے پانی کا جھرنا جو پینے میں ذائقہ دار ہوتا ہے اور دیکھنے میں حسین۔" انہوں نے سرشاری کی کیفیت میں اسے سینے سے لگایا تھا۔

"آپ کہاں گم ہو گئے چچا جان؟ چلیں کھانا کھا لیں۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ تو وہ چاہتے ہوئے بھی اس لڑکی کے متعلق نہ پوچھ سکے جو بحیثیت بیوی کے اب اس کے وائٹ ہاؤس میں تھی۔ مگر اس کے نام نے انہیں بے چین کر ڈالا تھا۔ وہ ایک لمحے سے پیشتر اسے دیکھنا چاہتے تھے مگر اس پر قادر نہ تھے۔ خاموشی کے ساتھ کھانا ختم کیا گیا۔ جب نواز علی خان اپنے کمرے میں گئے تب رات کے نو بج رہے تھے۔ وہ وائٹ ہاؤس جا سکتا تھا مگر اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور کمرے میں آکر ٹی وی آن کر کے بیٹھ گیا۔ اقشہ کے تلخ و ترش رویے نے اسے خاصا بد دل کیا تھا۔ وہ تقریباً" دو گھنٹے تذبذب کی کیفیت میں بیٹھا خالی الذہن سے ٹی وی دیکھتا رہا اور پھر بے اختیار ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بے مہر لاکھ بے اعتبار سہی مگر وہ اس دل کا کیا کرتا جو ایک پل کو بھی اس کی جدائی گوارا نہیں کیا کرتا تھا۔ اس نے کوریڈور میں پھیلے خوابناک اجالے کو دیکھا پھر سنگی سیڑھیاں طے کرتا نیچے آیا اور پورچ کی طرف بڑھا۔ گاڑی جب اس نے گیٹ سے باہر نکالی تو اس کا رخ وائٹ ہاؤس کی طرف تھا۔ ڈائل کی چمکتی سوئیاں رات کے گیارہ بجا رہی تھیں۔ وہ بہت پرسکون ہو کر ڈرائیو کر رہا تھا شاید اقشہ کو دیکھنے اور ملنے کی خوشی نے اس کے اندر زندگی کی حرارت و جوش کو دوڑا ڈالا تھا۔

"وائٹ ہاؤس پہنچا تو حسب معمول بے حد خاموشی تھی۔ وہ اندر آیا اور پھر اپنے کمرے میں پہنچا اور اسے خالی دیکھ کر ایک لمحے کو اس کا دل دھک سے ہوا اس کمرے سے آگے ہی ٹیرس تھا وہ اسے پار کرتا باہر آیا تو اسے ریلنگ سے لگ کر کھڑے دیکھ کر مسکرا اٹھا۔ اس کے لائے ہوئے میرون ویلوٹ کے سوٹ میں جس پر نگوں سے بہترین کام ہوا تھا وہ پہننے کے بعد جیسے اس کی قیمت وصول ہو گئی تھی۔ اس کے قدموں کی دھمک پر وہ چونک کر مڑی۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی اپنی دوائیاں کھا کر آکر کھڑی ہوئی تھی۔ حکم آیا نہیں تھا اور اسے اس کا انتظار بھی نہیں تھا۔ وہ صرف خالی الذہنی سے دور نظر آتے منظروں میں گم تھی جب اس کی آمد ہوئی۔

"اس لباس میں تم بہت سج رہی ہو۔" وہ چلتا ہوا اس کے قریب چلا آیا اور بازوؤں سے تھام کر اسے اپنے مقابل کرتا ہوا بولا۔ اس کی آنکھیں جو پہلے ہی ٹھنڈی ہوا اور کچھ دوائیوں کے اثر کے باعث بوجھل ہو رہی تھیں بند ہونے لگیں۔

"ایم سوری مجھے تمہیں اس طرح ڈانٹنا نہیں چاہیے تھا۔ مجھے اپنے الفاظوں پر پشیمانی ہے، کیا تم مجھے معاف نہیں کرو گی؟" اس نے ہولے سے اسے جھٹکا دیا تھا۔ وہ سرخ سرخ خوابیدہ آنکھوں سے اس کو دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں اتری نیند کی سرخی نے اسے اس کی کیفیت سمجھانے میں مدد دی۔

"تمہیں نیند آ رہی ہو گی چلو میں تمہیں بیڈ تک چھوڑ آؤں۔" وہ اسے اپنے ساتھ لیے بیڈ روم تک آیا اور پھر اسے بیڈ پر لٹا کر اس نے جھک کر اس پر کمبل درست کرتے ہوئے کہا۔

"اب زیادہ دن نہیں رہے، میں تمہیں جلد ہی تمہارا اصل مقام اور جگہ دلواؤں گا۔ تمہیں وہ خوشیاں دلواؤں گا جو تم سے عرصہ ہوا روٹھی ہوئی ہیں اور جب

تمہیں وہ سب کچھ مل جائے گا تو تمہیں میری روٹھی خوشیاں بھی لوٹانی ہوں گی۔ میرا خالی دامن بھی اپنی محبت سے بھرنا ہوگا۔" حکم نے دیکھا اس کی آنکھیں بند ہوچکی تھیں اور وہ گہری نیند میں تھی اس نے مڑ کر سائیڈ ٹیبل پر آج کا اخبار رکھا جس میں ایک اہم خبر چھپی تھی جس سے اقتیہ کا آگاہ ہونا بے حد ضروری تھا اور یہ اخبار وہ اس کے لیے ہی چھوڑے جارہا تھا۔

※ ...... ※ ...... ※

دوسرے دن وہ بہت دیر سے اٹھی تھی۔ ناشتے کے دوران بھی وہ حکم کی ان باتوں کو یاد کرنے کی کوشش کرتی رہی تھی جو لٹاتے وقت وہ کہہ رہا تھا۔ مگر چاہنے کے باوجود اسے ایک بات بھی یاد نہ آئی تو وہ اپنے اوپر جھنجھلانے لگی۔

"کیا ضرورت تھی اتنی جلدی ٹیبلٹس کھانے کی۔ شاید کوئی ضروری بات بھی کہی ہو اس نے۔۔۔" اسے ملال ہونے لگا۔ ناشتے سے فارغ ہوکر وہ کمرے میں آئی تو سائیڈ ٹیبل پر رکھا اخبار اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرواگیا۔ اس نے اٹھایا اور ہق دق رہ گئی۔

"اونچے حلقوں میں خانم کے نام سے مشہور نورجہاں بیگم کل رات ٹریفک کے حادثے میں چل بسیں۔ ان کے ساتھ دو خواتین اور تھیں جنہیں جواہر اور خمار کے نام سے شناخت کیا گیا ہے۔" اس کا دل دھک دھک کررہا تھا۔ "اتنے بدترین لوگوں کی اتنی آسانی سے موت۔ ناممکن سی بات لگتی ہے۔ ایسے شیطان لوگ اتنی جلدی دنیا چھوڑ سکتے ہیں۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ اس نے فون کے ریک کے پاس ڈائری چیک کی اور پھر حکم کا نمبر ملایا مگر کسی بھی نمبر پر وہ دستیاب نہ ہوا اسے اس خبر پر بے چینی سی لگ گئی تھی۔ اسے پورا یقین تھا کہ رات میں یہ اخبار حکم ہی لایا ہوگا کیونکہ یہ انگلش اخبار تھا اور اس پر کل کی تاریخ رقم تھی۔ اور یقیناً" یہ اخبار اس نے اسی کے لیے یہاں پر چھوڑا ہوگا وہ اس سے بات کرکے اپنی تسلی کرنا چاہتی تھی۔ مگر نجانے وہ کہاں تھا۔ اپنے اس اضطراب سے نجات پانے کے لئے وہ خاموشی کے ساتھ وائٹ ہاؤس کا جائزہ لینے لگی۔ اس گھر کو شاید اس لیے یہ نام دیا گیا تھا کہ یہاں وائٹ کلر کا کثرت سے استعمال ہوا تھا۔ کلر اسکیم سے لے کر فرنیچر اور آرائش کی چیزوں تک میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔ وائٹ کلر کے بعد جو رنگ دیکھنے میں آتا تھا وہ سبز تھا۔ ان دونوں رنگوں کا کمبی نیشن بڑا خوبصورت تھا۔

دوپہر کے بعد ہلکی ہلکی بارش شروع ہوگئی تھی۔ جاتی سردیوں کے دن تھے اور بارش کے بعد سے فضا میں خنکی بڑھ گئی تھی۔ اس وقت بھی جبکہ شام ہوچکی تھی مگر ابر آلود موسم کے باعث رات کا سا گمان ہورہا تھا وہ گلاس وال سے لگی بارش میں جل تھل ہوتے لان کو دیکھ رہی تھی۔ مگر بے اختیاری طور پر اس کی نگاہیں بڑی بے تابی و بے چینی کے ساتھ حکم کی آمد کی منتظر گیٹ کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ تبھی گارڈ نے گیٹ کھولا اور گرے لینڈ کروزر روش عبور کرتی پورچ میں جارکی۔ وہ حیران حیران سی پلٹی۔ حکم اس گاڑی میں نہیں آیا کرتا تھا اور اگر حکم نہیں آیا تھا تو پھر وہ کون تھا جس کی غیر متوقع طور پر یہاں آمد ہوئی تھی اور اس وقت اس نے سراسیمہ ہوکر سوچا۔ کچھ دیر پہلے وہ ٹھنڈ کے احساس سے غافل ہوکر یونہی کھڑی تھی مگر اب کسی اجنبی کی آمد نے اس کے اندر ڈر و خوف کی لہر دوڑادی تھی۔ اس نے صوفے پر پڑی حکم کی شال اٹھا کر اپنے بازوؤں کے گرد لپیٹی اس کی مانوس مہک نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ وہ پراعتماد قدموں سے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی اور پھر اس کے قدم دروازے پر ہی رک گئے۔ بے یقینی اور تحیر کے احساس سے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"اقتیہ میری بچی میں تمہارا۔۔۔" وہ تڑپ کر اس کی طرف بڑھے تھے۔

"کوئی نہیں لگتا۔" وہ سرد مہری و نفرت سے گویا ہوئی۔

"یوں نہ کہو' اپنے ٹھکرانے کی بڑی سخت سزا پائی ہے میں نے۔ پورے چودہ سال تمہاری جدائی میں تڑپتا رہا ہوں۔" ان کا لہجہ بھیگ بھیگ گیا۔ اس کی نفرت و بیزاری کو محسوس کرکے۔

"جدائی میں' اور وہ بھی آپ تڑپتے رہے ہیں' آپ بھول رہے ہیں شاید کہ آپ صرف ایک بیٹے اور وہ بھی شیر جیسے بیٹے کے باپ ہیں۔ یہی کہا تھا نا آپ نے۔" وہ استہزائیہ لہجے میں زہرخند انداز میں بولی۔

"کیا تم مجھے معاف نہیں کروگی' میں بڑی آس و امید لے کر یہاں آیا ہوں' تمہیں دیکھنے' تم سے ملنے۔" وہ اسے بازوؤں سے تھامتے ہوئے دلگیری سے بولے۔

"لیکن میں آپ سے اب ملنا نہیں چاہتی' آپ کی وجہ سے جو دکھ میں نے اٹھائے ہیں اور میری ماں نے سہے ہیں' میرے لیے وہی کافی ہیں۔"

"ایسا نہ کہو' مجھے یوں مت ٹھکراؤ' میں نے تمہیں کھو کر ہی تمہاری اہمیت کو جانا ہے۔ ایک ایک پل اذیت و تکلیف اٹھائی ہے۔ تمہیں ڈھونڈتا پھرا ہوں' اگر تم نے مجھ سے منہ موڑ لیا تو میں اب جی نہیں سکوں گا۔ مجھ میں مزید غم سہنے کی ہمت نہیں ہے۔ اپنے اس بوڑھے باپ کو معاف کردو۔ اس کی خطا کو درگزر کردو میری بچی۔" انہوں نے بازو پھیلائے تو وہ مزید اپنے اوپر سرد مہری کے خول چڑھائے نہ رکھ سکی۔ وہ روتی ہوئی ان کے سینے سے لگ گئی۔ کبھی اس نے سوچا تھا کہ اگر زندگی میں وہ ملے تو وہ انہیں اسی طرح ٹھکرادے گی جس طرح انہوں نے اس سے منہ موڑ لیا تھا مگر کہنے اور کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ وہ ان سے کبھی نفرت کرہی نہیں سکی تھی۔ یہ تو وہ غم غصہ تھا جو ان کے ٹھکرانے کے باعث اسے ان پر تھا۔ اور آج جبکہ وہ اس کی خاطر اس تک پہنچے تھے پھر وہ کیسے انہیں ٹھکرادیتی۔ مایوس لوٹادیتی۔ ان کی آنکھوں میں آئے آنسوؤں نے اس کے دل سے سالوں کی کدورت کو دھوڈالا تھا۔ وہ اس کے لیے وہی باپ بن گئے تھے جن سے کبھی وہ شدید محبت کرتی تھی۔

"آپ نے ایسا کیوں کیا بابا جان کوئی اپنے خون کو بھی یوں ٹھکراتا ہے۔ میں تو آپ کے وجود کا حصہ تھی پھر بھی۔۔۔ پھر بھی۔" اس کے آنسو تیزی سے اس کا چہرہ بھگورہے تھے۔ حکم یار نے جس وقت کمرے میں قدم رکھا اس وقت تک دلوں کی کدورتیں صاف ہوچکی تھیں۔ اقتیہ کا خوشی سے جگمگاتا چہرہ اس کی نظروں کے عین سامنے تھا وہ نواز علی خان کے بازو سے لگی کھڑی تھی۔ حکم سے اس کی نظریں ملیں تو وہ مسکرادی اس کی مشکور نظروں پر بے اختیار اس کے مونچھوں تلے لب مسکرا اٹھے۔ اسے اب اپنی منزل قریب ہی نظر آرہی تھی۔

※ ...... ※ ...... ※

اس بار شہباز علی خان کو ہر محاذ پر بڑی بری طرح شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ کوئی غیر اور طوائف زادی نہیں بلکہ ان کے بھائی کا خون' ان کے ہی وجود کا حصہ تھی اور اگر اب بھی وہ اسے ٹھکرادیتے تو پھر نواز علی خان کا سامنا کیونکر کرسکتے تھے۔ جنہوں نے ان کی آن بان شان کے لیے کبھی اپنے جگر گوشے کو ماننے' اپنا کہنے سے انکار کرڈالا تھا۔ اور پھر حکم بھی تو تھا۔ ان کا وارث ان کا بڑا بیٹا جو اس کی خاطر سب کچھ داؤ پر لگانے کو تیار بیٹھا تھا۔ اسے ٹھکراتے تو پھر کتنے ہی لوگ فریادی بنے انکی آنکھوں کے آگے آن کھڑے ہوتے۔ ان کی آنکھوں کے آگے زرتاج بیگم اور علی یار کی معصوم صورتیں پھر گئیں۔ پھر وہ کوئی غیر نہیں تھی ان کے ہی وجود کا گم شدہ حصہ تھی جسے کبھی انہوں نے اپنی روایتی' اصولوں اور رسم و رواج کی پاسداری کے لیے کھودیا تھا۔ حالانکہ زرگل کی طرح وہ بھی ان کی عزت و غیرت تھی تب یہ احساس نہیں ہوا تھا مگر اب اس شدید احساس نے ان کے دل کے دامن کو تھام لیا تھا۔ وہ چاروں طرف سے مجبور و بے بس ہوگئے تھے۔ اور نواز علی خان کو رضامندی کی صورت ہاں کربیٹھے کہ وہ جب چاہیں اسے حویلی لاسکتے ہیں مگر وہ مستقلاً" وائٹ ہاؤس میں حکم کے ساتھ رہے گی۔ اس کا بھی فیصلہ انہوں نے اس وقت کرڈالا تھا۔ ان کی رضامندی ملتے ہی نواز علی خان اسے اپنے ساتھ گاؤں لے آئے جہاں یاسمین بیگم اور زرگل نے کھلی بانہوں کے ساتھ اس کا استقبال کیا جبکہ حکم شہر ہی میں تقریب کے انتظامات

کے سلسلے میں رک گیا تھا۔ اس کی آمد پر سب ہی خوش تھے اور نواز علی خان کی خوشی کی خاطر کسی نے بھی منفی رد عمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ وہ دو دن وہیں ان کے ساتھ رہی پھر حکم کے فون آنے پر نواز علی خان کے ساتھ ہی حویلی کے اور لوگوں کے ساتھ شہر لوٹ آئی۔

✻ ۔۔۔۔۔۔ ✻ ۔۔۔۔۔۔ ✻

جس خواب کو شعور کی پہلی دستک کے بعد سے اس نے دیکھنا شروع کیا تھا وہ تو اس کا نصیب تھا ہی نہیں بلکہ اس کی بڑی بہن کا مقدر تھا۔ کسی کو اگر اس انہونی کی خبر ہوتی تو شاید بھول کر بھی اس کا نام اس کے نام کے ساتھ نہیں جوڑتے مگر تقدیر کے کھیل تو وہی جانتا ہے جس نے لوگوں کے مقدر اور جوڑے بنائے تھے۔ اب جب کہ اقصیٰ کی شادی اس سے ہو چکی تھی اور اس پر بھی یہ بات مکمل طور پر واضح ہو چکی تھی کہ وہ محض خواب اور سراب کے سوا کچھ نہیں تھا اور اسے آج نہیں تو کل اسے بھلانا ہی تھا۔ وہ لڑکی رنجیدہ، غمزدہ سہی مگر اقصیٰ جیسی بہن کو پاکر خوش بھی بہت تھی اس نے سالوں بعد بابا جان کو مسرت سے یوں مسکراتا خوش دیکھا تھا اور وہ اپنے آپ کو یہ تسلی دیتی رہی تھی کہ اب مجھے اس شخص کے متعلق سوچنا بھی نہیں چاہیے جو میرا بہنوئی بن چکا ہے اور اس کے ساتھ میرا بے حد پاکیزہ مقدس رشتہ بن گیا ہے۔ مگر آج رات ہونے والی شادی کے سلسلے میں دی گئی تقریب میں جو وائٹ ہاؤس میں انجام پذیر ہوئی تھی اور جس میں حکم کے دوست احباب کے علاوہ حویلی کے افراد بھی شامل تھے کہ باقاعدہ ولیمہ کی تقریب دھوم دھام کے ساتھ ادا کرنی تھی۔ شہباز خان کی تاکید کے مطابق، جب اس نے حکم اور اقصیٰ کو ایک ساتھ آتے دیکھا تو کتنی محرومیاں اور آزردگیاں اس کے دل میں گھر گئی تھیں۔ خود بخود بے اختیار ہی۔

نیوی بلیو ڈنر سوٹ میں مسکراہٹیں بکھیرتا حکم اپنی وجاہت میں یکتا نظر آرہا تھا۔ اس کی آنکھیں خوشی سے جگنوؤں کی طرح جگمگا رہی تھیں اس کے ہمراہ نیلی جارجٹ کی کام والی ساڑھی میں نیلم کا نازک سا حسین سیٹ پہنے اقصیٰ دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ وہ دونوں تو بنے ہی ایک دوسرے کے لیے تھے۔ وہ کیونکر ان کے درمیان آگئی تھی۔ اسے شدت سے اپنے نقصان کا احساس ہونے لگا۔

"تم سوئیں نہیں۔" شہناز بیگم کی آمد پر اس نے بھیگی آنکھیں ہتھیلیوں سے رگڑ ڈالیں۔

"میں سوچتی ہوں امی رزلٹ کے بعد میں بھی پڑھنے کے لیے لالہ کے پاس چلی جاؤں۔" اس کی بھیگی پلکیں اور سرخ آنکھوں کو دیکھ کر وہ سرد آہ بھرتے ہوئے بولیں۔

"تم چلی جاؤ گی تو میں یہاں تنہا رہ جاؤں گی۔"

"مگر اب۔ اب مجھ سے یہاں نہیں رہا جائے گا۔" اس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گالوں کو بھگونے لگے۔

"یہ تقدیر کا فیصلہ ہے جسے بڑے صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کرنا ہے۔ اگر تمہاری خوشی اسی میں ہے تو میں تمہیں نہیں روکوں گی جہاں رہو خوش رہو۔" وہ افسردگی سے کہتی کمرے سے نکل گئیں۔ وہ ماں تھیں کس طرح اولاد کے دکھ کو نہ جانتیں۔ انہیں معلوم تھا قربتیں شدت سے اضافے کے باعث ہوتی ہیں۔ فاصلے آخر کار صبر دے ہی دیتے ہیں۔ وہ بھی آہستہ آہستہ اس غم کو بھول ہی جائے گی۔

جبکہ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ تو کبھی اس کا تھا ہی نہیں اور اب اس حقیقت کے بعد تو اس کا ملنا ناممکن ہی تھا پھر بھی دل کی یہ تشنگی کیسی تھی کہ سچائی جاننے کے باوجود اس کے وجود کو اپنے شکنجے میں لیے ہوئے تھی۔ وہ مطمئن کیوں نہیں ہو جاتی۔ یہ بے کلی سی کیسی اس کے دل میں آگ لگائے ہوئے تھی۔

"ہائے تشنگی دل بتا یہ من جو ضدی بچے کی طرح اس کی خواہش میں تڑپ رہا ہے۔ اسے میں کہاں لے جاؤں کہ یہ بہل جائے۔" اس نے تھک کر اپنے بائیں ہاتھ میں پہنے موتیے کے گجرے کو کھولا اور پھر پتی پتی کرکے وہ ڈریسنگ ٹیبل پر پھینکنے لگی۔ اس کے اندر مچلتا دل دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ دہائی دے رہا تھا مگر اب وہ اس گجرے کی طرف متوجہ تھی جو اس کے وجود کی طرح پتی پتی ہو کر بکھر چکا تھا۔

✻ ۔۔۔۔۔۔ ✻ ۔۔۔۔۔۔ ✻

ایک ایک کرکے تمام مہمان رخصت ہو چکے تھے۔ تقریباً رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا لان میں ہی ڈنر کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس لیے تمام ڈیکوریشن کا سامان ٹیبلوں پر بکھرا ہوا تھا۔ وہ اپنی سربراہی میں وہاں کی صفائی کروانا چاہ رہی تھی تب حکم چلا آیا۔

"یہ آپ کے کام نہیں ہیں، انہیں کرنے دیں آپ چلیں۔" اس نے بازو سے تھام کر کہا تو وہ مجبوراً اس کے ساتھ کھنچی چلی آئی۔ حکم کے سارے گھر والے اس کے بے حد اصرار کے باوجود وائٹ ہاؤس نہیں ٹھہرے تھے بلکہ تقریب کے اختتام کے بعد شہر میں ہی دوسرے بنگلے پر چلے گئے تھے جہاں حویلی سے آکر ٹھہرا کرتے تھے۔ اس لیے بھی ماحول خاصا سنسان ویران محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اسے لیے بیڈ روم میں چلا آیا۔ اور پھر اس سے پہلے کہ وہ ڈریس چینج کرنے جاتی حکم نے اس کا راستہ روکتے ہوئے کہا۔

"ابھی مجھے جی بھر کر دیکھنے تو دیں۔ وہاں اتنے لوگوں میں موقع ہی نہیں ملا کہ دیکھ سکوں تم کیسی لگ رہی ہو۔" اس کی گہری پرحدت نظروں پر اس کے گال آتشیں ہوگئے اور گھنیری پلکیں عارضوں پر کانپنے لگیں۔ اس کی مبالغہ آرائی سے زیادہ جذباتیت پر وہ کنفیوژڈ ہو رہی تھی۔

"احتشام کے والد کی بدگمانی دور کرکے آپ نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ میں کس طرح آپ کا شکریہ ادا کروں۔" اقصیٰ نے اس کا دھیان بٹایا۔

"ارے ایک اچھی خبر تو میں نے تمہیں سنائی ہی نہیں۔" وہ بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اچانک گویا ہوا۔

"وہ کیا؟" اس کی حیران نظریں اس کی طرف اٹھیں۔

"نجم الحسن صاحب اور افراز شاید یہی نام بتایا تھا۔ احسن نے۔" اس نے سوچتے ہوئے کہا تو اس کا دل ان ناموں پر دھڑک اٹھا۔

"کیا ہوا انہیں۔" وہ بے اختیار اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

"ہوا کچھ نہیں بلکہ وہ لوگ تمہارا پتا کر رہے تھے۔ احسن تو ویسے بھی سی آئی اے میں ہے جب اس نے افراز کے پاس تمہاری تصویر دیکھی تو چونک گیا کیونکہ ہمارے نکاح پر وہ موجود تھا۔ اس نے فون کرکے مجھ سے اس سلسلے میں رابطہ کیا تو میں پہلی ہی فرصت میں ان سے ملا۔ دراصل وہ لوگ تم سے بہت شرمندہ ہیں۔ میں نے انہیں اس تقریب میں بھی انوائیٹ کیا تھا مگر ان کا کہنا تھا کہ وہ اپنی فیملی کو لاہور سے لے کر آئیں پھر تم سے ملنے آئیں گے۔" حکم کی الفاظوں پر اس کی آنکھیں حیرت سے جگمگا اٹھیں۔

"میں آپ کا کس طرح شکریہ ادا کروں یہ میری ماں کی دعائیں ہوں گی جو مجھے آپ جیسا اچھا جیون ساتھی ملا ہے۔" اس کے لیے یہ بہت بڑی خبر تھی کہ نجم الحسن کا دل اس کی طرف سے صاف ہو گیا تھا۔ اور وہ ایک بار پھر اپنے محسن ماموں سے مل سکتی تھی۔

"کیا صرف اچھا؟" اس نے مصنوعی ناراضگی کا اظہار کیا۔

"کیا کریں بھئی اب گزارا تو کرنا ہی ہے۔" وہ شوخی سے کہہ کر مسکرائی تو وہ بھی مسکرا اٹھا۔

اس کا اعتبار بحال ہوا تھا۔ رشتوں کی مضبوطی پر تو اس کی محبت پر بھی اسے یقین آہی گیا تھا اور یہ اس کی محبت کا ہی اعجاز تھا کہ وہ آج پورے شوخی سے جواب دے رہی تھی۔

"آئی لو یو اقصیٰ۔" وہ بیقرار لہجے میں بڑی شدت وچاہ سے گویا ہوا تھا۔

"آئی ٹو ویٹ۔" وہ سرشاری کی کیفیت میں بولی تو اس نے بے اختیار اسے اپنی پناہوں میں چھپالیا اور دریچے سے جھانکتا ہوا چاند ان دونوں کے ملاپ پر شرما کر بادلوں کی گود میں جا چھپا۔